شاہِ جیلان رضی اللہ عنہ
مصنف: قاضی عبدالنبی کوکب
AlahazratNetwork.org

نام کتاب	:	شاہِ جیلان رضی اللہ عنہ
مصنف	:	قاضی عبدالنبی کوکب
کیٹیگری	:	دیگر کتب علماء اہل سنت
کمپوزنگ	:	خلیل احمد رانا۔ جہانیاں، ضلع خانیوال (پاکستان)
تصحیح و ویب لے آوٹ	:	ٹیم اعلیٰ حضرت نیٹ ورک (راؤ ریاض شاہد قادری)
زیرِ نگرانی	:	ڈیجیٹل لائبریری فکرِ اعلیٰ حضرت (راؤ سلطان مجاہد القادری)
برائے ویب سائٹ	:	www.alahazratnetwork.org

شاہِ جیلان رضی اللہ عنہ

شمالی فارس میں بحیرہ خزر (کسپین) کے جنوبی ساحل پر گیلان [1] نام کا ایک زرخیز صوبہ واقع ہے۔ اس صوبے کی ایک بستی کو 470 ہجری میں جناب شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے مولد بننے کا شرف حاصل ہوا۔

(۱) گیلان کو عربی میں جیلان بولا جاتا ہے، گیلان اور دیلم کے علاقے یک جا ہیں، ان کے مغرب میں آذربائیجان اور رَی، جنوب میں قزوین، مشرق میں طبرستان اور شمال میں بحیرۂ خزر واقع ہے۔ گیلان چھوٹی چھوٹی متفرق بستیوں پر مشتمل ہے، انہی میں ایک بستی سرکار غوثیت مآب رضی اللہ عنہ کی جائے پیدائش ہے۔ شیخ شطنوفی (متوفی ۷۱۳ھ) نے اپنی تالیف "بهجة الاسرار" میں اس بستی کا نام "نیف" بتایا ہے، جب کہ یاقوت حموی (متوفی ۶۲۶ھ) نے خیال ظاہر کیا ہے کہ جیلان کی "بشتیر" نامی بستی آپ کا مولد ہے۔ یاقوت نے "معجم البلدان" میں "بشتیر" کے ماتحت لکھا ہے۔

"بشتير" بالضم و التاء المثناة المكسورة و ياء ساكنة موضع فی بلاد جیلان ینسب الیه الشیخ الزاهد الصالح عبد القادر بن ابی صالح الحنبلی البشتیری---

بستانی نے اپنے "دائرۃ المعارف" میں تطبیق پیش کرتے ہوئے کہا ہے، ممکن ہے ایک بستی میں ولادت اور دوسری میں پرورش ہو۔ دیکھیے، معجم البلدان (مطبوعہ بیروت، ۱۹۵۵ء)، جلد۱، صفحہ ۴۲۶/ تقویم البلدان، ابو الفداء، صفحہ ۴۲۶/ بهجة الاسرار، صفحہ ۸۸/ دائرة المعارف للبستانی، جلد ۱۱، صفحہ ۷۹

والدین

آپ کے والد ماجد حضرت ابوصالح موسیٰ جنگی دوست رحمۃ اللہ علیہ حسنی سادات سے [۲] تھے۔ والدہ رحمۃ اللہ علیہا نہایت

متقیہ اور طاہرہ خاتون تھیں۔ ان کا تعلق حسینی خاندان سے تھا۔[۳]

(۲) والد ماجد کی طرف سے آپ کا شجرۂ نسب حسب ذیل ہے:

''سید محی الدین ابو محمد عبد القادر بن سید موسیٰ جنگی دوست بن سید عبد اللہ بن سید یحییٰ بن سید داؤد بن سید موسیٰ بن سید عبد اللہ بن سید موسیٰ جون بن سید عبد اللہ محض بن امام حسن مثنٰی بن سید امام حسن بن سیدنا علی المرتضٰی رضی المولیٰ تعالیٰ عنہم''---

دیکھئے، نزهة الخاطر الفاتر ملا علی قاری۔ (آسی)

(۳) والدہ ماجدہ کی طرف سے حضور کا شجرہ نسب یوں ہے:

''سید محی الدین ابو محمد عبد القادر بن امۃ الجبار فاطمہ بنت سید عبد اللہ صومعی بن سید ابو جمال الدین محمد بن سید محمود بن سید ابو العطا بن سید کمال الدین عیسیٰ بن سید ابو علاؤ الدین محمد جواد بن امام سید علی رضا بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام باقر بن سیدنا امام زین العابدین بن امام سید الشہداء ابو عبد اللہ حسین بن امیر المومنین سیدنا علی المرتضٰی رضی المولیٰ عنہم''---

خاندان

یہ خاندان پارسائی اور ہدایت کی رو سے معروف چلا آتا تھا۔ شیخ کے نانا عبد اللہ صومعی رحمۃ اللہ علیہ مشہور ولی تھے[۴] سمرقند کے جنگلوں میں ایک قافلے نے آپ کی برکات سے قزاقوں سے نجات پائی[۵] سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا جیلان کی بڑی پارسا خاتون تھیں، وہ حضرت شیخ رضی اللہ عنہ کی پھوپھی تھیں۔ ان کی خدمت میں لوگ بارش کی دعا کے لیے حاضر ہوئے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے صحن میں جھاڑو دے کر آسمان کی طرف دیکھا اور عرض کی:

یَا رَبِّ اَنَا کَنَسْتُ فَرَشِ اَنْتَ---

''پروردگار! جھاڑو میں نے دے دیا، بارش تو برسا دے''---

چناں چہ جب لوگ گھروں کو لوٹے تو ان کے کپڑے بھیگ چکے تھے۔

(۴) حضرت ملا جامی رحمۃ اللہ علیہ ''نفحات الانس'' میں ان کے متعلق فرماتے ہیں:

مستجاب الدعوۃ بود، وقتیکہ در غضب شدی حق سبحانہ وتعالیٰ برائے او زود انتقام کشیدے وہر چہ خواستے خدائے تعالیٰ چناں چہ کردی وہر چیزی کہ پیش از وقوع آں خبر کردی---

''آپ کی دعائیں قبول ہوتی تھیں، جس پر ناراض ہوتے، خدا اسے جلد سزا دیتا، جو کچھ مانگتے، خدا تعالیٰ فرماتا اور آئندہ کی خبریں دیتے''---

(۵) قافلہ والوں نے آپ کو پکارا تو آپ فوراً وہاں پہنچ گئے:

تاجران ابوعبداللہ را آواز دادند دیدند کہ درمیان ایشاں ایستادہ است---

اور فرمانے لگے:

سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّنَا اللّٰہُ دور شوید اے سواراں از میان ما---

نتیجتاً سب قزاق ہیبت کے مارے بھاگ گئے، پھر تلاش کیا تو شیخ نظر نہ آئے۔ گیلان میں آ کر دریافت کیا تو حضرت کے مصاحبین نے بتایا کہ آپ ہرگز یہاں سے غائب نہیں ہوئے۔ دیکھیے، نفحات الانس و سفینۃ الاولیاء۔ (آسی)

شیر خوارگی

ان پاک صلبوں اور پاک شکموں کے اثرات خیر کا کرشمہ تھا کہ شیر خوارگی میں ہی آپ کو غیر معمولی شعور[۶] حاصل تھا۔ رمضان میں دودھ نہ پینے کی روایت اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔[۷]

(۶) بعض بچوں کا ابتدائے پیدائش ہی سے غیر معمولی قویٰ کا حامل ہونا علمائے طبیعات کے نزدیک بھی مسلم ہے اور قرآن نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اسی کیفیت میں پیش کیا ہے۔ (کوکب)

(۷) رمضان میں دودھ نہ پینے کے اس واقعے کو ہندوستان کے فاضل محقق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اخبار الاخیار میں یوں بیان فرماتے ہیں:

چوں وے متولد شد، در نہار رمضان از پستان مادر شیر نمی خورد، در مردم شہرت گردید کہ در خانہ بعضے از اشراف پسرے متولد شدہ است کہ در روز رمضان شیر نمی خورد---

''جب آپ پیدا ہوئے تو رمضان میں دن کے وقت والدہ کا دودھ نہ پیتے، چناں چہ لوگوں میں مشہور ہو گیا کہ سادات کے ایک گھرانے میں ایک ایسا بچہ پیدا ہوا ہے، جو رمضان کے دنوں میں دودھ نہیں پیتا''---(آسی)

بچپن

فطرتاً آپ کو کھیل کود سے لگاؤ نہ تھا[۸] نہایت چھوٹی عمر میں علم کی طرف راغب ہو چکے تھے۔ایک مرتبہ گلی میں لڑکوں نے روک لیا کہ ''آؤ ہمارے ساتھ مل کر کھیلو''۔آپ نے فرمایا، بہت اچھا! میں کہتا ہوں ''لا الٰہ'' تم کہنا ''الا اللّٰہ''۔چناں چہ گلی میں کلمے کا ذکر بلند ہوا اور بستی والے معصوم بچوں کے اس نرالے کھیل پر حیران رہ گئے۔[۹]

(۸) فرماتے ہیں:

''جب میں بچوں کے ساتھ کھیلنے کا قصد کرتا تو ایک قائل کو یہ کہتے سنتا۔''اے مبارک! کہاں جاتے ہو؟'' میں ڈر کر بھاگتا اور اپنی ماں کی گود میں آ جاتا''---

دیکھیے، سیرت غوث اعظم، از علامہ توکلی، صفحہ ۲۵۔(آسی)

(۹) یہ روایت کتب تذکرہ میں میری نظر سے نہیں گزری، البتہ اسے میں نے مولانا غلام محمد ترنم رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۷رمحرم الحرام ۱۳۷۹ھ، ۲۴رجولائی ۱۹۵۹ء) کی زبان مبارک سے دوران وعظ سنا۔(کوکب)

ابتدائی تعلیم

جناب شیخ کے بچپن اور ابتدائی طالب علمی کے حالات بالتفصیل نہیں ملتے۔ایک سیرت نگار لکھتا ہے:

''معلوم ہوتا ہے کہ والد آپ کی ابتدائے عمر میں ہی فوت ہو چکے تھے، اس لیے کہ تربیت کے سلسلے میں ان کا ذکر نہیں آتا''---

تاہم دس سال کی عمر تک گھر کی ابتدائی تعلیم سے فارغ ہو کر بستی کے مکتب میں داخل ہو چکے تھے۔ اٹھارہ برس کے ہوئے تو دل میں علوم عالیہ کے لیے ولولے اٹھنے لگے، جن کے بعد بغداد جانے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ والدہ سے اجازت طلب کی، وہ بڑی فاضلہ اور صاحب بصیرت خاتون تھیں۔ ابتدائی تعلیم ان ہی کی کوشش اور نگرانی میں مکمل ہوئی تھی۔ دل میں بچے کے اس دینی شوق پر بہت مسرور ہوئیں، مگر شفقت مادری سے آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ فرمایا:

''بیٹا! شوق سے جاؤ، یہ دینار تمہارے والد نے تمہارے لیے چھوڑے ہیں، یہ زادِ راہ کے لیے لے لو، علم میں ہمہ تن مشغول ہو جانا اور مجھے یاد کرنا کیوں کہ اس دنیا میں اب ہماری ملاقات نہیں ہو سکے گی''

یہ الفاظ سن کر سعید و نجیب بیٹا، باچشم نم، سفر کی تیاری کے لیے اٹھا۔ آخر میں اس پاک ماں نے وصیت کی کہ:

''ہر معاملہ کی بناء راستی (سچائی) پر رکھنا''---

حضرت اس آخری فقرے کو عمر کی کسی منزل میں نہ بھولے اور اس وقت بھی نہ بھولے جب وادئ ہمدان میں ڈاکوں نے آپ کو نرغے میں لے رکھا تھا۔[۱۰]

(۱۰) اس واقعہ مشہورہ کی طرف اشارہ ہے، جو اسی سفر میں ہمدان سے ذرا آگے نکل کر ترنک کے پاس پیش آیا کہ جنگل سے نکل کر ساٹھ رہزنوں نے قافلے پر حملہ کر دیا۔ اس موقع پر ڈاکوؤں نے آپ سے پوچھا۔ تیرے پاس کیا ہے؟ تو آپ نے صاف صاف بتایا، ''میرے پیراہن کی بغل میں چالیس دینار سلے ہوئے ہیں'' تفصیل کے لیے دیکھئے بھجۃ الاسرار، صفحہ ۸ (کوکب) اور یہ اسی راستی کی برکت تھی کہ ان ساٹھ قزاقوں نے حضرت کے دست حق پرست پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے لوٹ مار سے توبہ کر لی اور وہ سچے مسلمان بن گئے۔ (آسی)

سرکار غوثیت مآب رحمۃ اللہ علیہ ان ساٹھ رہزنوں کی توبہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں، ''میرے ہاتھ پر توبہ کرنے والے اشخاص کی یہ پہلی قسط تھی''۔ دیکھئے بھجۃ الاسرار (کوکب)

ورودِ بغداد، ۴۸۸ھ

جناب شیخ رضی اللہ عنہ ۴۸۸ھ کے صفر میں بغداد[۱۱] وارد ہوئے۔ یہ شہر عباسیوں کا دارالسلطنت ہونے

کی وجہ سے علوم وفنون کا بہت بڑا مرکز تھا۔

(۱۱) بغداد عجیب وغریب تاریخی بستی ہے، اس نے نوشیرواں کے عدل کی بہاریں بھی دیکھیں اور ہلاکو کے قتل عام کی قیامت بھی دیکھی، یہاں تخت وتاج کی تقدیر بار ہا بدلتی رہی اور لاتعداد سیاسی ومذہبی انقلابات ابھرتے رہے، مگر یہ شہر علم وحکمت کی خوشبو سے تقریباً مہکتا رہا۔(کوکبؔ)

نظامیہ

یہاں کی شہرۂ آفاق اسلامی درس گاہ نظامیہ[۱۲] دنیا بھر کے طلباء کا مرجع تھی۔ شیخ بھی اسی دارالعلوم میں داخل ہوئے۔

حضرت شیخ رضی اللہ عنہ کی طالب علمی کا زمانہ مشکلات وموانع سے بھرپور نظر آتا ہے۔ انہی ایام میں بغداد شہر میں ایک بڑا خوف ناک قحط پھیل گیا۔

(۱۲) اس کی بنیاد ۴۵۹ھ میں نظام الملک طوسی نے رکھی۔ اپنے اس دور میں یہ ساری دنیا کا واحد علمی مرکز تھا، کیوں کہ یورپ ابھی تک علم سے کورا تھا۔ صرف اندلس میں مسلم یونی ورسٹیاں قائم ہو رہی تھیں، مگر ان کے لیے ترقی کا معیار نظامیہ بغداد کے نقش قدم پر چلنا تھا۔ البتہ نیشاپور کی درس گاہیں قابل قدر علمی خدمات انجام دے رہی تھیں۔(کوکبؔ)

زمانہ قحط کے حالات

غالباً سعدی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس کا ذکر کرتے ہیں اور خود جناب شیخ رضی اللہ عنہ نے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے، طلباء اور فقراء کو ان ایام میں سخت دِقت درپیش تھی۔ حضرت شیخ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"ایک دن مسلسل بھوک سے تنگ آکر ایوان کسریٰ[۱۳] کی طرف نکل گیا کہ شاید کوئی کھانے کی چیز میسر آئے، مگر وہاں پہلے سے ستر (۷۰) درویشوں کی ایک جماعت اسی حالت فاقہ میں موجود پائی تو چپ چاپ واپس چلا آیا"

ایک دفعہ بھوک سے بے تاب ہو کر ایک مسجد میں داخل ہوئے، وہاں ایک شخص روٹی سالن لیے بیٹھا تھا۔ اس نے شیخ کی حالت محسوس کر لی اور کھانے کے لیے بلایا۔ باتوں باتوں میں معلوم ہوا کہ وہ شخص بھی جیلانی تھا۔ شیخ رضی اللہ عنہ کی والدہ نے شیخ کے لیے ایک رقم اس کے ہاتھ بھیجی تھی، مگر یہاں آ کر وہ ان ہی پیسوں کو خرچ کرنے پر مجبور ہو گیا تھا اور یہ کہ کھانا بھی اسی میں سے تھا۔

(۱۳) ''اس وقت یہ ویرانہ تھا، ولادت نبوی ﷺ پر اسی محل کے کنگرے گر گئے تھے''۔

اسی طرح [۱۴] ایک مرتبہ فرطِ جوع سے دریا کے کنارے پر گئے تا کہ درختوں کے پتے کھا کر پیٹ بھریں مگر وہاں ہر جگہ ہر درخت کے گرد درویشوں اور طالب علموں کے ہجوم تھے، چناں چہ واپس مسجد میں آ کر لیٹ رہے۔

ان واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس خوف ناک قحط کے یہ ایام کس قدر حوصلہ شکن تھے، مگر شیخ کے علمی اشتیاقات میں کوئی فرق نہ پڑا، بلکہ مادی عوارض روحانی اشواق کے لیے مہمیز ثابت ہوئے:

ان آبلوں سے پاؤں کے گھبرا گیا تھا میں
جی خوش ہوا ہے راہ کو پُر خار دیکھ کر

(۱۴) یہ واقعات شیخ محمد بن یحییٰ حنبلی (متوفی ۹۶۳ء) نے ''قلائد الجواھر فی مناقب الشیخ عبد القادر'' میں صفحہ نمبر ۹ پر درج کیے ہیں۔ (کوکبؔ)

سبق یاد کرنا

مدرسہ کے اوقات کے علاوہ اسباق یاد کرنے کے لیے آپ کی دو نشست گاہوں کا ذکر ملتا ہے، یعنی کبھی تو آپ شہر سے باہر ایک جنگل میں چلے جاتے اور بعض اوقات بغداد کے ایک بیرونی محلّہ قطعہ شرقیہ [۱۵] میں تشریف لے جاتے، جہاں ایک مسجد میں بیٹھ کر کام میں مصروف رہتے۔

(۱۵) یہ محلّہ بغداد سے مدینہ منورہ کے رخ پر واقع ہے۔ شیخ نے اس محلے کو اپنی نشست کے لیے یقیناً اس لیے اختیار کیا ہوگا کہ دیارِ حبیب ﷺ کی طرف منہ رہے اور تصور پختہ ہوتا رہے۔ ع

تصور میں ترے رہنا عبادت اس کو کہتے ہیں (کوکبؔ)

مدّتِ تحصیل

حضرت خواجہ بختیار کاکی قدس سرہ العزیز کے بیان کے مطابق جناب شیخ رضی اللہ عنہ کا زمانہ تحصیل سات برس ہے۔ مگر یہ صرف نظامیہ بغداد میں تعلیم پانے کا زمانہ ہے۔ اس سے پیش تر جیلان میں اگر تعلیم کی ابتداء کم سے کم دس برس کی عمر سے مان لی جائے تو بھی کل زمانہ تعلیم ۱۵ رسال بنتا ہے۔

بغداد کی تعلیم

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ "بغیۃ الوعاۃ" میں لکھتے ہیں کہ بغداد میں شیخ نے "دینیات" کے علوم عالیہ حاصل کیے۔ سب سے پہلے قرآن کی طرف متوجہ ہوئے، تجوید و قراءت کے علوم کی تکمیل کی، پھر تفسیر پڑھی۔ علیٰ ہذا القیاس فقہ و اصول فقہ، حدیث و اصول حدیث، نیز ادبیات عربیہ کے علوم کی تمام شاخوں میں عبور حاصل کیا اور اپنے اقران سے بہت فائق ہو گئے۔ [۱۶]

(۱۶) حضرت کے مرتبہ علمی کی مزید تفصیل اسی مضمون میں "علمی زندگی" کے زیرِ عنوان آئے گی۔ (کوکبؔ)

تکمیل علوم

اس طرح ۴۹۵ھ میں پچیس برس کی عمر میں آپ علوم ظاہر کی تکمیل سے فارغ ہو گئے۔

باطن کی طرف رجوع

علم کے بعد تزکیۂ نفس کی از حد ضرورت ہوتی ہے، ورنہ علمی کمالات راہِ حق کے حجابات بھی بن جایا کرتے ہیں۔ شیخ نے اس سلسلے میں شروع سے ہی طبعی اور فطری مناسبت پائی تھی، تاہم بغداد کی زندگی نے اس ذوق کو مزید

ابھارا اور بالآخر منزل سے ہم کنار کیا۔

خلوت اور مشائخ کی صحبت

"قلائد الجواہر" کا بیان ہے کہ علوم ظاہر کی تکمیل کے بعد شیخ نے خلوت گزینی کا ارادہ کرلیا۔ اس عہد کا بغداد ایک بین الاقوامی شہر تھا، جہاں مختلف اقوام اور مذاہب کے لوگ آباد تھے۔ خلافت کے سیاسی اضمحلال کے باعث دیگر مذاہب، اسلام کے خلاف فتنہ آرائیوں میں سرگرم رہتے۔ دوسری طرف عوام پر دنیادارانہ زندگی کا رجحان زیادہ غالب تھا۔ ظاہر ہے کہ اس ماحول میں ایک ایسے نیک دل جوان کا جی نہیں لگ سکتا تھا، جس کی تربیت خداوالوں کی آغوش میں ہوئی تھی اور اب وہ اسلامی تعلیمات سے بھی آگاہ ہو چکا تھا۔ چناں چہ ایک دن قرآن حکیم شانے سے باندھ کر بغداد سے باہر ویرانوں کا رخ کرلیا مگر راستے میں اچانک ایک دھکا سا لگا۔ ساتھ ہی آواز آئی:

"واپس لوٹ جاؤ تم سے مخلوق کو فائدہ ہوگا"---

یہ غیبی ندا سن کر شیخ واپس تو آ گئے، مگر دل میں اضطراب کا ہجوم تھا۔ دعا کی:

"اے کاش! کسی مردِ خدا سے ملاقات ہو جائے"---

شیخ حماد m

دوسرے دن حماد رحمۃ اللہ علیہ [۱۷] سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے از خود بتایا کہ تم نے کل خدا سے ایک دعا مانگی تھی، گویا اشارہ تھا کہ دعا قبول ہو گئی۔ اس دن سے آپ نے شیخ حماد رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت اختیار کی۔ شیخ موصوف بعض اوقات بے اعتنائی ظاہر کرتے مگر یہ مرید کے اشتیاقات کی آزمائش ہوتی تھی۔ شیخ حماد رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں آپ نے ایک طویل عرصہ تک اکتساب فیض کیا۔

(۱۷) شیخ حماد بن مسلم مشائخ بغداد کا مرجع تھے، بہت بڑے صاحب فیض بزرگ تھے، سکونت محلّہ مظفریہ (بغداد) میں تھی، ۵۲۵ھ میں وصال ہوا۔

قاضی ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ

قاضی ابوسعید مخرمی رحمۃ اللہ علیہ[۱۸] بغداد کے جید عالم اور معروف ولی اللہ تھے۔ شیخ نے ان سے ظاہر و باطن، ہر دو طریق میں استفادہ کیا اور خرقہ طریقت بھی ان کے دست مبارک سے پہنا۔

(۱۸) عبدالماجد دریا آبادی نے تصوف اسلام میں مخزومی لکھا ہے، مگر یہ سہو ہے، دراصل ''مخرم'' بغداد کے ایک محلہ کا نام تھا۔ یاقوت نے اس لفظ کا ضبط یوں بیان کیا ہے:
ضم میم، فتح خا، کسر راء مع تشدید یعنی مُخَرِّم اور بتایا ہے کہ یہ محلّہ مخرم بن یزید بن شریح کے نام پر موسوم تھا۔ قاضی ابوسعید اس محلے میں رہائش کے باعث ''مُخَرِّمی'' کہلائے۔ (کوکبؔ)

مجاہدات کا دور

پچیس برس کی عمر سے خلوت اور ریاضت کا دور شروع ہوا، جو پچاس برس کی عمر یعنی پورے پچیس سال تک جاری رہا۔ مشائخ و عارفین سے تعلقات اور ان سے حصول فیض کا زمانہ بھی اسی میں شامل ہے[۱۹] خواجہ بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے مشہور قصیدے میں ریاضات کا زمانہ پچیس سال ہی بتلایا ہے اور ''بهجة الاسرار''، صفحہ ۸۵ پر خود آپ کا قول بھی اس کی تائید کرتا ہے:

''میں پچیس سال عراق کے صحراؤں میں رہا، اس کیفیت سے کہ نہ میں کسی کو جانتا تھا اور نہ مجھے کوئی جانتا تھا''

خوش زمزمۂ گوشہ تنہائی خویشم
از جوش و خروشِ گل و بلبل خبرم نیست

(۱۹) شیخ خرقہ قاضی ابوسعید سے رابطہ زمانہ طالب علمی ہی میں قائم ہو گیا تھا، کیوں کہ بقول سیوطی، شیخ نے ان سے فقہ و اصول فقہ کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی تھی۔ البتہ شیخ حماد کی صحبت تحصیل سے فارغ ہو جانے کے

بعد حاصل ہوئی۔ قاضی مخرمی کا سنہ وفات ۵۲۱ھ ہے اور شیخ حماد ۵۲۵ھ میں فوت ہوئے۔ (کوکب)

اسرار وعجائب

اس زمانے میں وہ ایام بھی شامل ہیں جو برج عجمی اور محلات کسریٰ کے کھنڈروں میں گزرے۔ خلوت کے ان دنوں میں لاتعداد اسرار وعجائب آپ کے مشاہدے میں آتے رہے۔ جناب خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوتی، جنات متشکل ہو کر سامنے آتے۔ ابلیس کا واقعہ مشہورہ [۲۰] بھی غالباً اسی دور سے متعلق ہے۔ ان واقعات کی تفصیل مطولات میں موجود ہے۔

حضرت شیخ جیلانی رضی اللہ عنہ کا ایک خاصہ ہر دور میں رہا ہے کہ جس شعبے سے انہوں نے تعلق قائم کیا، اسے تکمیل کے نقطۂ آخر تک پہنچا کر چھوڑا:

و ذٰلك فضل اللّٰه یؤتیه من یشآء---

چناں چہ ریاضات اور تجرد کے دور میں بھی شیخ ایسی ایسی دشوار گزار راہوں سے ہو گزرے کہ جن کا بیان تک مشکل ہے۔ آپ خود فرمایا کرتے تھے:

"ریاضات، مجاہدات اور نفس کشی کا کوئی طریقہ ایسا نہ تھا جسے میں نے باقی چھوڑ دیا ہو۔ میں گونگا اور مجنون مشہور ہونے لگا تھا"---

مری دیوانگی عقل و خرد سے لاکھ اچھی ہے
کہ دنیا کی زباں مجھ کو ترا دیوانہ کہتی ہے

سال ہا سال تک راتیں جاگتے رہے اور ایک ایک نشست میں قرآن ختم کر دیتے۔ اس دور کے آخری ایام آپ نے برج عجمی میں گزارے اور بالآخر یہیں یہ کٹھن سفر انتہا پذیر ہوا۔

(۲۰) یعنی ابلیس ایک تخت پر متشکل ہو کر سامنے آیا اور کہا:

"عبدالقادر! تم سے عبادات رفع کی جاتی ہیں"---

آپ نے لا حول و لا قوۃ پڑھا اور وہ منظر سے غائب ہوگیا۔ (کوکب)

خرقہ پہنایا گیا

ابوالعباس احمد بغدادی لکھتے ہیں:

ایک مرتبہ حضرت شیخ رضی اللہ عنہ بغیر آب و خور چالیس روز تک برج عجمی (بغداد سے باہر ہے) میں بیٹھے رہے، حتیٰ کہ نفس "الجوع الجوع" (بھوک، بھوک) پکارنے لگا۔ اسی دوران میں قاضی ابوسعید تشریف لائے اور اپنے مکان پر آنے کا کہہ کر چلے گئے۔ جب شیخ ان کے مکان پر گئے تو قاضی صاحب موصوف نے پہلے پیٹ بھر کر کھانا کھلایا اور اس کے بعد شیوخ طریقت کے معروف طریقے کے مطابق آپ کو خرقہ مبارکہ پہنا دیا۔[۲۱]

(۲۱) شیخ خرقہ بے شک حضرت قاضی ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ ہی تھے، آپ کی تربیت باطنی براہ راست مرکز کی طرف سے ہو رہی تھی، یعنی خود سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ و ازکی التحیات کی بلاواسطہ توجہات شامل حال تھیں۔ خزینۃ الاصفیا، صفحہ ۹۵ پر اس حقیقت کی طرف یوں اشارہ کیا گیا ہے:

"تربیت آں حضرت بے واسطہ از روحانیت شاہ رسالت علیہ الصلوٰۃ و التحیۃ است و پیر خرقہ آں جناب شیخ ابوسعید مخزومی"۔۔۔(آسی)

سلسلہ خرقۂ طریقت

خرقہ طریقت کا سلسلہ مبارکہ حسب ذیل ہے:

(۱)......سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ (۲)......قاضی ابوسعید مبارک بن علی مخزومی رضی اللہ عنہ

(۳)......شیخ ابوالحسن علی بن محمد قرشی رضی اللہ عنہ (۴)......شیخ ابوالفرج طرطوسی رضی اللہ عنہ

(۵)......شیخ ابوالفضل عبدالواحد تمیمی رضی اللہ عنہ (۶)......شیخ ابوبکر شبلی رضی اللہ عنہ

(۷)......شیخ ابوالقاسم جنید بغدادی رضی اللہ عنہ (۸)......شیخ سری سقطی رضی اللہ عنہ

(۹)......شیخ معروف کرخی رضی اللہ عنہ (۱۰)......شیخ داؤد طائی رضی اللہ عنہ

(۱۱)......حضرت حبیب عجمی رضی اللہ عنہ (۱۲)......شیخ امام حسن بصری رضی اللہ عنہ

(۱۳)......امیر المومنین امام الصالحین حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم

تبلیغ و تدریس

پہلا وعظ

خرقہ طریقت پہننے کی رسم مبارک سے فارغ ہو کر حضرت شیخ جیلانی قدس سرہ العزیز نے تبلیغ کے مسند پر قدم رکھا اور شوال ۵۲۱ھ میں پہلا وعظ فرمانے کے لیے مشرقی بغداد کے محلّہ حلیہ برانیہ میں ایک اجتماع کے سامنے کرسی پر بیٹھے۔ وعظ سے پیش تر جناب سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام اور شیر خدا علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ شیخ عرض گزار ہوئے:

"حضور! بغداد میں عرب کے فصحاء موجود ہیں، وعظ کیسے کہوں گا؟"---

اس پر شہنشاہ اقلیم رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "بیٹا! منہ کھولو" اور سات بار لعاب دہن عطا فرمایا، پھر شاہ حریم ولایت رضی اللہ عنہ نے بھی چھ بار لعاب ڈالا۔[۲۲]

(۲۲) سات بار اس لیے نہیں کہ سرکار رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ و السلام کا ادب پیشِ نگاہ تھا۔(آسی)

آبِ حیاتِ جاوداں کے ان مقدس سرچشموں سے فیض یاب ہو کر جب سرکارِ غوثیت مآب رضی اللہ عنہ نے وعظ کا آغاز فرمایا تو یوں معلوم ہوتا تھا، جیسے بستی کے درو دیوار تک ذکر و انابت کی کیفیتوں میں گم تھے۔ وعظ کی مقبولیت کا یہ عالم ہوا کہ کثرتِ سامعین کے پیش نظر شہر سے باہر عیدگاہ میں اجتماعات منعقد ہونے لگے۔ حاضرین کی تعداد ساٹھ ہزار تک ہو جاتی۔ عوام کے علاوہ عراق کے علماء و صوفیہ تک شریک مجلس ہوتے۔[۲۳]

(۲۳) خزینۃ الاصفیا میں وعظ کے متعلق دارا شکوہ کے الفاظ یہ ہیں:

''درسال پانصد و بیست و یک ہجری بارشاد باطنی نبوی و مرتضوی بر منبر برآمدہ بہدایت خلق مصروف شد و اکثر آں جناب در حالت وعظ فرمودے کہ اے اہل آسمان و زمین بیائید و سخنان مرا بشنوید کہ نائب و وارث رسول اللہ ﷺ منم و در ہر مجلس وعظ آں جناب قریب ہفتاد ہزار کس حاضرین شدند و چہار صد نفر کلام حق التیام آں حضرت را می نوشتند و از تاثیر کلام حقیقت نظام ایں قدر وجد و ذوق عائید حال سامعین می شد کہ اکثر از یشاں بحق واصل می شدند و جنازہ ہائے آں ہا برداشتہ می بردند و اکثر را آں قدر بے ہوشی و بے خبری بوقوع آمدی کہ تا چند روز از خود بے خود و مدہوش بودندے و شیخ ابوسعید قیلوی می فرماید کہ در محفل خلد منزل حضرت غوث الاعظم بار ہا ارواح حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ و الملک الاکبر و دیگر پیغمبراں علیہم السلام و خیل ملائکہ و جنیاں را مشاہدہ می کردم''---(آ ؔ)

طریق وعظ

مجلس وعظ کے لیے ایک قاری کا تعین کر دیا گیا تھا، جن کا نام شریف ابوالفتح ہاشمی تھا۔ وعظ سے پہلے وہ قرآن حکیم کے اس مقام کی تلاوت کرتے، جس پر آپ نے کچھ فرمانا ہوتا تھا۔ جب گفتگو شروع کر دیتے تو محفل پر پُر رعب سکوت طاری ہوتا۔ صدہا اہل علم اپنی کاپیوں پر جواہر پارے نوٹ کرتے جاتے اور لاتعداد عوام و خواص جذب و تاثیر سے بے خود ہو جاتے۔

وعظ کی تاریخیں

ہفتے میں صرف تین دن وعظ کے لیے مقرر تھے، اتوار کی صبح کو خانقاہ میں وعظ فرماتے، پھر منگل کی شام اور جمعہ کی صبح کو مدرسہ میں اجتماع ہوتا تھا۔

مدت وعظ

آپ کی یہ تبلیغی خدمت ۵۲۱ھ سے شروع ہو کر ۵۶۱ھ، یعنی پورے چالیس برس تک جاری رہی۔ اس

عظیم القدر تبلیغی دور پر آگے چل کر مفصل گفتگو کی جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ

تدریس

وعظ کے زمانے کے ساتھ ساتھ علوم اسلامیہ کی تدریس کا دور بھی شامل ہے۔ حضرت قاضی ابوسعید مخرمی رحمۃ اللہ علیہ مدت سے ایک دینی دارالعلوم قائم کیے ہوئے تھے، جو بغداد میں "باب الازج" کے پاس واقع تھا۔

دارالعلوم

قاضی صاحب موصوف شیخ کے استاذ اور مرشد بھی تھے۔ اپنے اس فاضل تلمیذ کی علمی و روحانی صلاحیتیں دیکھ کر اپنا مدرسہ ان ہی کے سپرد کر دیا۔ جوں ہی مدرسہ شیخ کی طرف منسوب ہوا تو طلباء کے بے پناہ ہجوم سے آس پاس کے رستے بند ہونے لگے۔

محفل میں پیر مغاں نے جب رخسار سے گیسو سرکائے
پھر پروانے پہ پروانہ ، کوئی یہاں گرا ، کوئی وہاں گرا

توسیع عمارت

چناں چہ دارالعلوم کی توسیع کے لیے ایک عمارت کی بنیاد رکھی گئی، جو ۵۲۸ھ میں مکمل ہوئی۔ اسی سال سے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے تعلیم و تدریس کا باضابطہ کام شروع کیا۔ آپ کے مدرسے میں تیرہ علوم کے اسباق ہوتے تھے۔ بغداد اور عراق کے علاوہ دیگر اسلامی ممالک کے طلباء بھی آپ کے دارالعلوم میں داخل تھے۔

مدت تدریس

گو آپ نے تعلیم کے کام کا آغاز ۵۲۸ھ سے پہلے ہی کر دیا تھا۔ تاہم اس دور کی ابتداء اسی سال سے مان لی جائے تو بھی ۵۶۱ھ تک ۳۲، ۳۳ سال کا عرصہ بنتا ہے۔

وفات

شیخ ابوالقاسم احمدی بغدادی کا بیان ہے کہ ۵۶۰ھ کے رمضان میں حضرت شیخ بیمار ہو گئے۔ رمضان کی ۲۹ر تاریخ تھی۔ میں، شیخ عبدالقاہر سہروردی اور دیگر مشائخ حاضر تھے کہ اچانک اشارہ سا ہوا، جیسے کوئی کہہ رہا تھا:

"اے اللہ کے ولی! میں آپ سے جدا ہو رہا ہوں اور یہ میری آخری ملاقات ہے"---

دراصل یہ آواز رمضان مبارک کی طرف سے تھی، چناں چہ دوسرے سال کا رمضان آپ نے نہ دیکھا، یعنی ربیع الآخر ۵۶۱ھ میں اپنے اللہ کو پیارے ہو گئے اور دنیائے اسلام اپنے ایک بہت بڑے محسن کے لیے سوگوار رہ گئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا الیہ راجعون

ایک روایت کے مطابق تاریخ وفات ۱۰ر ربیع الآخر ہے[۲۴] اس مصرع میں سنہ ولادت اور سنہ وفات دونوں کی طرف اشارہ موجود ہے۔

(۲۴) شیخ محمد یحییٰ حنبلی التادفی نے اپنی تالیف "قلائد الجواھر" کے صفحہ ۱۳۴ پر سرکارِ غوثیت پناہ رضی اللہ عنہ کی تاریخ وفات کے بارے میں دو روایات بیان کی ہیں۔ پہلی روایت میں تاریخ وفات ۸ر ربیع الآخر، ہفتہ کی رات قرار دی ہے:

توفی رضی اللہ عنہ .... ببغداد لیلة السبت ثامن شهر ربیع الآخر---

سنة احد و ستین و خمس مائة---

تذکرہ نگاروں نے یہ بھی لکھا ہے کہ تجہیز و تکفین کے موقع پر بغداد کے کوچہ و بازار کثرت ہجوم سے اس قدر اٹے پڑے تھے کہ جنازہ باہر نکالنا اور دن کے وقت دفن کرنا ناممکن تھا۔ چناں چہ رات کے وقت جنازہ پڑھا گیا اور رات ہی کو مدرسہ کی عمارت میں دفن کر دیا گیا۔ جب خوب دن چڑھ گیا اور مدرسے کے دروازے کھولے گئے تو خلق خدا کا وہ سیل بے پناہ قبر مبارک کی طرف بڑھا کہ بغداد کی تاریخ میں یہ ایک مثالی منظر قرار پایا۔ دیکھیے، قلائد الجواہر، صفحہ ۱۳۴۔ (کوکب)

اور دوسری روایت جو اسی تذکرہ نگار نے حافظ محب الدین ابن النجار کے حوالے سے نقل کی ہے، کی رو سے آپ کا وصال اس رات میں ہوا، جس کی صبح کو ہفتہ کا دن اور ربیع الآخر کی دس تاریخ تھی:

و قال ابن النجار انه توفی لیلة صبیحتها السبت عاشر ربیع الآخر

جاء فی عشقٍ و مات فی کمال

"آپ کی آمد "عشق" میں ہوئی اور وصال "کمال" میں فرمایا"---

کلمہ "عشق" کے عدد چار سو ستر ہیں، یہ تاریخ ولادت ہے۔ لفظ "کمال" کے عدد اکانوے ہیں اور یہ عمر شریف ہے۔ (اور کمالِ عشق سے سنہ وصال ۵۶۱ھ ظاہر ہوتا ہے)

حضرت خواجہ بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حضرت کی عمر مبارک نوے سال ہے۔ انہوں نے چند اشعار میں عمر مبارک کی مقدار اور اس کے مختلف ادوار کا نقشہ بڑی عمدگی سے کھینچا ہے۔ وہ اشعار یہ ہیں:

نود سال حیاتش بود ، تفصیلش زمن بشنو
بہ ہژدہ سال از جیلان بہ بغداد آمدہ دانی

"آپ کی عمر مبارک نوے سال تھی، جس کی تفصیل یوں ہے، ۱۸ رسال کی عمر میں جیلان سے بغداد تشریف لائے"---

پئے تحصیل علمی ہفت سال اندر شمار آمد
بہ بست و پنج سالش انقطاع از خلق ربانی

"اور بغداد میں ۷ رسال تک علوم ظاہر کی تحصیل میں مصروف رہے، بعد ازاں پچیس سال خلوت اور ریاضت میں گزارے"---

چہل سالہ بہ دعوت سوئے حق خواندن خلائق را
حساب عمر ایشاں بود من گفتم بہ آسانی

"پھر چالیس سال مخلوق خدا کی ہدایت میں صرف کیے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی عمر کا یہ میزان ہے، جو

میں نے سہولت سے سمجھا دیا" ---

۱۸ر سال جیلان میں، ۷ر سال بغداد میں (تحصیل علم)، ۲۵ر سال تلاش حق کے لیے خلوت و تجرد میں، ۴۰ر سال وعظ، تبلیغ، تدریس و تعلیم میں، کل عمر مبارک ۹۰ر سال۔

اخلاق وعادات

اولیاء اللہ رضی اللہ عنہم کی زندگی کا سب سے محبوب پہلو یہ ہوتا ہے کہ ان کے اخلاق کی داستان سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمہ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ کیوں کہ یہ لوگ اپنی عادات کو "سنن نبویہ" کے پرتو سے منور کر چکے ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ اکثر اکابر صوفیہ فرما گئے ہیں کہ:

"دراصل سنت نبوی کی اتباع ہی کا نام ولایت ہے" ---

اب اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ہمارے ممدوح گرامی، غوث صمدانی، محبوب یزدانی، حضرت شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ العزیز، جو گروہِ اولیاء کے سرتاج ہیں، مقام اخلاق میں، حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقوشِ پا سے کس قدر قریب ہوں گے۔ [۲۵]

(۲۵) چناں چہ حضرت شیخ محمد عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اخلاق آں حضرت نسخہ بود از اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ومجموعہ از اِنَّکَ لَعَلٰی ھُدًی مُّسْتَقِیْمٍ باآں جلالت قدر وعلو منزلت ووسعت علم ورفعت محل کہ داشت ہمیشہ باضعفاء مجالست کردی وبافقراء تواضع نمودے وتوقیر کبیر وترحم بر صغیر وابتدا بسلام فرمودی .... وہر کہ پیش آں حضرت سوگند خوردی، ہر چند دروغ گفتے قبول کردے وعلم وکشف خود را پوشیدے --- [اخبار الاخیار]

"حضرت کے اخلاق کریمہ، اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ اور اِنَّکَ لَعَلٰی ھُدًی مُّسْتَقِیْمٍ کے مظہر کامل تھے۔

اتنی عظمت شان کے باوصف، ضعیف لوگوں کی ''ہم نشینی'' فرماتے اور چھوٹوں پر رحم وشفقت۔ سلام کہنے میں پہل کرتے، .... جو شخص حضرت کے سامنے قسم کھا لیتا اگر چہ جھوٹا ہوتا آپ قبول فرما لیتے اور اپنا علم کشف ظاہر نہ فرماتے۔ (آسیؔ)

حضرت شیخ کے حالات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا دل جیسے محبت الٰہی کی لذتوں سے سرشار تھا، اسی طرح خلق خدا کی خدمت کے جذبے سے بھی معمور تھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کی ساری زندگی غربا، فقرا اور طلباء کی صحبتوں میں گزری۔ مقبولیت اور عظمت کا یہ عالم تھا کہ شہر سے گزرتے تو گلی کوچوں میں مردوزن ہجوم کیے ہوتے اور بازاروں میں لوگ دکانوں سے اتر کر قطار بستہ کھڑے ہوجاتے۔ شہر کے امراء کبرا قدم بوسی کو ترستے رہتے مگر آپ غریبوں اور کمزوروں کو نوازتے، ناداروں اور بے کسوں کے پاس بیٹھتے۔ سفر پر جاتے تو غربا کی جھونپڑیوں میں قیام پذیر ہوتے اور رؤسا کی آرزوؤں کے باوجود ان کے محلات کا رُخ نہ کرتے۔

ایک واقعہ

ایک مرتبہ سفر حجاز کے لیے تشریف لے گئے، خلف صالح شیخ عبدالرزاق ساتھ تھے۔ وہ فرماتے ہیں، جب اباجان کی سواری مقام حلّہ پر پہنچی تو آپ نے ٹھہرنے کا ارادہ فرمایا۔ چناں چہ بستی کو ایک طرف چھوڑتے ہوئے ویرانے کا رخ کرلیا۔ چند قدم چلے ہوں گے کہ ایک اونی خیمہ نظر آیا، جہاں ایک بوڑھا، ایک بڑھیا اور ایک لڑکی سکونت پذیر تھے۔ اباجان نے اس بوڑھے مرد سے اجازت لی اور ہمارا قافلہ جنگل میں ان کے خیمے کے ساتھ فروکش ہوا۔ اب اُدھر حلّہ کی ساری بستی میں حضرت کی آمد کی خبر پھیل چکی تھی۔ چند لمحے گزرے ہوں گے کہ بستی کے بڑے بڑے متمول لوگ حاضر خدمت ہونے لگے اور اصرار کرنے لگے کہ بستی میں چل کر ہمارے ہاں قیام فرمائیے، مگر آپ نے کسی کی درخواست منظور نہ فرمائی۔

جب لوگوں کو یقین ہوا کہ حضرت اس ہی جھونپڑی میں ٹھہریں گے تو آس پاس کی بستیوں سے نیاز مند گروہ در گروہ تحائف وہدایا لے کر حاضر خدمت ہونے لگے، حضرت تحائف وصول فرماتے اور جھونپڑی والوں کو دیتے

جاتے۔ حتیٰ کہ صرف مویشیوں کی تعداد اتنی ہوگئی کہ جنگل میں دُور تک گلّے چرتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ اس طرح سرکار غوثیت مآب رضی اللہ عنہ کے فیض قدم سے اس کٹیا کے نادار، بستی کے بڑے بڑے مال داروں سے زیادہ صاحب ثروت ہو گئے۔[۲۶]

آئے وہ اور جمال دکھا کر چلے گئے

خوابیدہ زندگی کو جگا کر چلے گئے

(۲۶) مفصل واقعہ "بہجۃ الاسرار" کے صفحہ ۱۰۳ پر درج ہے۔ (کوکبؔ)

محتاجوں کی مدد

ضرورت مندوں کی مدد فرماتے، محتاجوں کی حاجت پوری کر دیتے۔ ایک خستہ حال مسافر دروازے پر آ کر کھڑا ہو گیا، آپ نے دریافت فرمایا، "میاں کیوں پریشان ہو؟" اس نے عرض کیا۔ "میں مسافر ہوں، پیدل سفر کر رہا ہوں، مگر یہاں راستے میں دریا آن پڑا ہے اور کشتی کا کرایہ پاس نہیں" آپ نے اسی وقت اسے تیس دینار عطا فرمائے اور غریب مسافر کا چہرہ خوشی سے کھل گیا۔

مہمان نوازی

جس طرح فیوضات کے لیے آپ کا آستانہ مرجع عالم تھا، اسی طرح اہل احتیاج کے لیے، مسافروں اور مہمانوں کے لیے صبح و شام جود و کرم کا دروازہ کھلا رہتا تھا۔ مہمان خانے کا انتظام اپنے اہتمام سے کرتے۔ رات کو جب دسترخوان بچھتا تو دنیا دیکھتی کہ اولیاء کا سردار، مسافروں میں بیٹھا کھانا کھا رہا ہوتا تھا۔

کئی لوگ اپنے دل میں خاص قسم کے کھانوں کا خیال لے کر آتے اور اپنی اپنی آرزو کے مطابق کھانا کھا کر جاتے۔ واعظِ مصر شیخ زین الدین علی بن ابی طاہر حج سے واپسی پر بغداد آئے، اتفاق سے زادِ راہ ختم ہو گیا۔ سفر کا معاملہ تھا اور بغداد میں انہیں کوئی جانتا نہ تھا، بالآخر بھوک سے بے تاب ہوئے اور حضرت کے مکان خانے میں آئے۔ آپ نے

دیکھتے ہی خادم کو کھانا لانے کا حکم دیا۔

شیخ زین الدین فرماتے ہیں، میں نے اپنے رفیق سے سرگوشی کی کہ تو کیا کھائے گا۔ اس نے کہا کہ کشک (ایک خاص کھانا جو دودھ میں تیار ہوتا تھا) اور خود میں نے دل میں شہد کا خیال کیا، چناں چہ آپ نے تصرف قلب سے معلوم کر کے یہی کھانے منگوائے، مگر خادم نے کشک میرے آگے اور شہد میرے ساتھی کے سامنے رکھ دیا۔ اس پر حضرت نے ٹوکا اور فرمایا، یوں ٹھیک نہیں، اس کا الٹ کرو۔ یہ دیکھ کر شیخ زین الدین فدا ہو گئے اور حلقہ صحبت میں داخل ہوئے۔[۲۷]

(۲۷) شیخ شطنوفی نے اس واقعہ کو سند اور تاریخ کی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ واعظ مصر کا نام یوں درج کیا ہے:

الشیخ ابو الحسن علی بن ابی ظاهر ابراهیم بن نجا بن غنائم الانصاری الدمشقي الفقيه الحنبلي الواعظ نزيل مصر ---

دیکھیے، بہجۃ الاسرار، صفحہ ۷۳۔ (کوکبؔ)

صبر و صداقت اور استحکام و استقلال میں آپ کی شخصیت یکتائے عصر تھی۔ اس کے ساتھ قدرت نے قناعت و کفایت اور ایثار و سخا نفشی کے جوہر بھی عطا کیے تھے۔

راستی

آپ کی صداقت کے لیے اس کلمہ صدق کا یاد رکھنا کافی ہے، جو ہمدان کے قریب آپ نے ڈاکوؤں کے سردار کے سامنے بولا تھا۔ نیز وہ حقیقت، جس کا اظہار ایک مرتبہ آپ نے ایک سوال کے جواب میں کیا تھا۔ یعنی آپ سے پوچھا گیا کہ آپ کے جملہ منازل ارتقاء کی بنیاد کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا تھا، ''صدق'' (یعنی سچائی، قول میں بھی اور فعل میں بھی)

صبر و تحمل

آپ کے زمانہ طالب علمی پر نظر ڈالیے تو صبر و تحمل کی تفسیر سمجھ میں آئے گی۔ وہ مسافری، وہ قحط، وہ بھوک کی راتیں، وہ فاقے کے دن، وہ اجنبیت اور وہ بے سروسامانی، مگر ان تمام صعوبتوں پر آپ کی خندہ پیشانی کس قدر حیرت انگیز ہے!

ایثار و سخا

پھر لطف یہ کہ اس دور ابتلاء میں اگر کبھی جیب میں چند سکے آ گئے تو شاہانہ سخاوت اور مردانہ ایثار کی شان دکھا دی۔ ایک دفعہ بیس دن کے مسلسل فاقے کے بعد والدہ کی بھیجی ہوئی رقم وصول ہوئی، آپ نے ایک وقت کی روٹی کے پیسے رکھ لیے، باقی خرابہ کسرٰی کے فقراء میں تقسیم کر آئے۔ شہر میں آ کر کھانا خرید اتو اس میں بھی چند درویشوں کو شریک کر لیا۔

نیم نانے گر خورد مرد خدا
بذلِ درویشاں کند نیم دگر

"مرد خدا کے ہاتھ میں اگر ایک روٹی ہی ہو تو بھی اس میں آدھی درویشوں پر ضرور خرچ کر دے گا"---

آپ کا مرغوب عمل

جود و کرم کی یہ عادت مبارکہ آپ کی زندگی کے ہر دور میں نمایاں رہی۔ کوشش یہ ہوتی تھی کہ کوئی ضرورت مند خالی نہ جائے۔ بسا اوقات سائلوں کو اپنے کپڑے اتار کر عطا کر دیتے۔ بھوکوں کو کھانا کھلانے میں بڑا حظ محسوس کرتے۔ فرمایا کرتے تھے، میں نے تمام اعمال صالحہ کی چھان بین کی ہے، ان میں سب سے افضل عمل بھوکوں کو کھانا کھلانا ہے۔ اگر میرے پاس دنیا بھر کے خزانے آ جائیں تو سب کے سب بھوکوں پر صرف کر دوں۔ [۲۸]

(۲۸) فوات الوفیات، جز دوم، صفحہ ۳

احباب سے سلوک

اپنے احباب کے ساتھ انتہائی حسن سلوک کا برتاؤ فرماتے۔ مجلس میں عزت وتکریم کے ساتھ بٹھاتے۔ شیخ علی بن ابی نصر ہیتی جو عراق کے اقطاب میں سے تھے، حضرت شیخ سے بے پناہ عقیدت رکھتے تھے۔ جب کبھی وہ اپنی بستی سے آپ کو ملنے کے لیے بغداد آتے، تو مدرسے کے دروازے پر پاپوش اتار کر کھڑے ہو جاتے۔ اس وقت جناب شیخ انہیں فرطِ محبت سے پکارتے، ''بھائی! میرے پاس آیئے'' اور پھر اپنے پہلو میں پاس بٹھا لیتے۔[۲۹]

(۲۹) احباب کی دل جوئی کے لیے ان کا ہدیہ قبول فرما کر تناول بھی فرما لیتے تھے لیکن سلاطین کا ہدیہ کبھی قبول نہیں فرماتے تھے۔ اگر کوئی صاحب صدقہ لاتے تو بھی قبول فرما لیتے تھے مگر اسے تناول نہیں فرماتے تھے، بلکہ حاضرین میں تقسیم فرما دیتے تھے۔ خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ کوئی شخص بھی آپ سے زیادہ خوش خلق وسرگین وکریم ومہربان نہیں تھا۔ چناں چہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ہر دوست وہم نشین یہی خیال کرتا تھا کہ حضور کو مجھ سے زیادہ عزیز کوئی نہیں۔ (آسی)

عیادت

آپ کے اصحاب میں سے کوئی غیر حاضر ہوتا، اس کے حالات دریافت فرماتے، کوئی بیمار ہو جاتا تو عیادت کے لیے تشریف لے جاتے، خواہ سفر ہی اختیار کرنا پڑتا۔ چناں چہ ایک مرتبہ شیخ علی ہیتی بیمار ہو گئے تو آپ ان کی بیمار پرسی کے لیے ان کی بستی زریران میں تشریف لے گئے، جو بغداد سے کچھ فاصلے پر واقع ہے۔

اولیاء سے رابطہ

آپ اپنے عہد کے اولیاء اللہ سے ملنے کے بہت مشتاق تھے۔ ابتداء عمر میں بغداد کے جملہ اہل اللہ کی مجالس میں جاتے۔ تاج العارفین شہر میں وعظ کہا کرتے تھے، جس میں اکثر وبیش تر آپ شریک ہوتے رہتے تھے۔ آپ

دورانِ سفر میں بھی ایسی ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رکھتے۔ چناں چہ عہد طالب علمی کے ایک سفر میں شیخ شریف یعقوبی سے ملاقات کی، سفر حج میں شیخ ابن مرزوق اور شیخ ابو مدین سے ملاقاتیں ہوئیں۔ علاوہ ازیں بلاد عجم و ملک عراق کے اکثر زہاد و اولیاء سے آپ کا ملنا ثابت ہے۔[۳۰]

(۳۰) دیکھیے قلائد الجواہر فی مناقب الشیخ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ، صفحہ ۴، ۵۔ (کوکب)

مزارات

کبھی کبھی قبرستانوں کی طرف بھی تشریف لے جاتے۔ بغداد کے مقبرہ شونیزیہ میں حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اور جعفر خلدی رحمۃ اللہ علیہ جیسے صالحین لیٹے تھے۔ اس لیے یہاں حضرت رضی اللہ عنہ اکثر آیا کرتے تھے۔ خود آپ کے مرشد صحبت شیخ حماد رحمۃ اللہ علیہ کا مزار بھی یہیں تھا۔ حضرت خواجہ معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد حنبل رضی اللہ عنہ کے مزارات پر بھی بارہا تشریف لے جاتے۔

دنیاداروں اور دنیا کی چیزوں کے لیے آپ کے دل میں کوئی جگہ نہ تھی۔ آپ نے دولت کبھی جمع نہ فرمائی، جو کچھ آتا، فقراء اور طلباء میں تقسیم ہو جاتا۔ آپ کی چند زینہ اولادیں مختلف اوقات میں وفات پاتی رہیں، مگر آپ پر کوئی تغیر نہ آتا۔ ایک مرتبہ وعظ کے دوران ایسی ہی خبر بد ملی، مگر آپ نے پورے اطمینان سے وعظ جاری رکھا۔ لوگ یہ استقلال دیکھ کر حیران رہ گئے۔ آپ نے فرمایا کہ جب کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو اسے ہاتھوں پہ رکھ کر دل سے کہہ دیتا ہوں کہ "یہ میت ہے" (یعنی آخر سب نے فنا ہونا ہے)، بس پھر اس کی موت سے مجھ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

استغناء

غافل دنیاداروں کی آپ قطعاً پروا نہ کرتے، خواہ رئیس ہو، خواہ حاکم وقت۔ ایک مرتبہ خلیفہ وقت مستنجد باللہ ابوالمظفر یوسف اشرفیوں کے دس توڑے لے کر حاضر خدمت ہوا، آپ نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ بالآخر اس کے اصرار پر تھیلیاں ہاتھ میں پکڑ کر نچوڑیں، تو ان سے خون ٹپکنے لگا۔ خلیفہ متحیر رہ گیا، آپ نے فرمایا:

''لوگوں کا چوسا ہوا خون ہے، اگر رشتہ رسالت کا پاس نہ ہوتا تو یہ خون تمہارے محلات تک

بہتا''۔۔۔[۳۱]

(۳۱) دیکھئے بہجۃ الاسرار، صفحہ ۶۱۔ (کوکب)

جب کبھی خلیفہ یا کسی اور حاکم وغیرہ کی آمد کی خبر ملتی، تو آپ اٹھ کر اندر تشریف لے جاتے۔ جب وہ آ کر بیٹھ جاتے تو آپ آجاتے اور وہ تعظیم میں کھڑے ہو جاتے۔ آپ کی سوانح کی کسی کتاب سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ زندگی کے کسی حصے میں بھی کسی امیر، رئیس یا حاکم کے پاس گئے ہوں۔ ہمیشہ حکام و امراء آپ کے دربار میں حاضر ہوا کرتے تھے۔[۳۲]

(۳۲) علامہ رشید رضا، مدیر المنار نے دائرۃ المعارف للبستانی میں شامل اپنے مقالے میں لکھا ہے، ایک مرتبہ خلیفہ وقت، عشاء کی نماز کے بعد سرکار غوثیت مآب رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے کے لیے آیا، مگر آپ ملاقات کے لیے باہر تشریف نہ لائے، کیوں کہ معمول یہ تھا کہ عشاء کے بعد باہر نہ نکلتے۔ (کوکب)

عبادت و خوفِ خدا

عبادت و ریاضت کا شوق گویا گھٹی میں ملا تھا۔ شب بیداری، نوافل، مسلسل روزہ، تلاوت قرآن اور مجاہدات کے اشغال کی بہ کثرت روایات مذکور ہیں۔ ذوقِ تلاوت کا غلبہ ہوتا تو پوری پوری رات قرآن پڑھتے گزار دیتے۔ یادِ الٰہی کے لیے کبھی مسجد میں، کبھی بستی میں اور کبھی ویرانوں میں بے تاب نظر آتے۔ مقبولیت و محبوبیت کے مقاماتِ عالیہ پر فائز ہونے کے باوجود خوفِ خدا اس حد تک غالب تھا کہ شاید و باید۔ بہ روایت مصلح الدین سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ آپ کو حرم کعبہ میں یوں دیکھا گیا کہ سر کنکریوں پر رکھا ہے، آنکھیں آنسو برسا رہی ہیں اور عرض کر رہے ہیں:

''اے مالک! اگر میں سزا کا مستحق ہوں تو قیامت کو مجھے نابینا اٹھانا تاکہ تیرے برگزیدہ بندوں میں شرم سار نہ ہوں''۔۔۔

اللہ اکبر! علامہ اقبال مرحوم نے اسی احساس کو اپنے تخیل کے حسین پیکروں میں ملبوس کر کے اس رباعی میں جلوہ گر کر دیا ہے:

بپایان چون رسد ایں عالم پیر
شود بے پردہ ہر پوشیدہ تقدیر
مکن رُسوا حضورِ خواجہ ما را
حسابِ ما ز چشم او نہاں گیر

رزق حلال

اسلاف کی طرح آپ مشکوک روزی سے کلّی اجتناب فرماتے۔ رزقِ حلال کا سوکھا ٹکڑا کھا کر خوش رہتے۔ مجاہدات کے زمانے میں کئی دفعہ شہر آتے مگر طیب چیز میسر نہ آتی تو پھر واپس صحراؤں کو چلے جاتے۔ مسند تبلیغ و ارشاد پر متمکن ہونے کے بعد بھی اپنے کھانے کے بارے میں نہایت محتاط رہے۔ اپنے متعلقین میں سے کچھ کاشت کاروں کے ذمے یہ خدمت تھی کہ وہ ہر سال اپنی نگرانی سے گیہوں کا فصل تیار کر کے لاتے، پھر خاص خدام ہی اسے پیستے اور چند روٹیاں پکا کر سامنے حاضر کی جاتیں۔ آپ روٹیوں کے ٹکڑے کر کے کچھ اپنے لیے رکھ لیتے اور باقی احباب خاص میں تقسیم کر دیتے۔ یہاں سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اہل اللہ کی نظر میں رزقِ حلال کیا اہمیت رکھتا ہے۔

طبیعت میں حلم اور بُردباری کی شان غالب تھی، کسی ذاتی یا خاندانی معاملے میں کبھی غصہ نہ فرماتے۔ عوام یا خواص کسی سے کوئی لغزش ہو جاتی تو اسے معاف فرما دیتے۔ آپ کو اپنے خدام کی خطاؤں کا علم ہوتا لیکن درگزر سے کام لیتے۔ البتہ حدود الٰہی کے بارے میں نہایت سخت گیری فرماتے۔ سنت کی پابندی پر خود بھی کاربند تھے اور متعلقین کو بھی یہی تلقین کرتے۔ شیخ ابو القاسم بزاز اور شیخ ابو عبد اللہ بغدادی نے سرکارِ بغداد کے اخلاق کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

”آپ کے اخلاق نہایت محبوب، اوصاف از حد پاکیزہ تھے، ہر رات عام دسترخوان بچھتا،

مہمانوں کے ساتھ کھاتے، کمزوروں کے ساتھ بیٹھتے، بیماروں کی عیادت فرماتے، طلباء سے خاص انس رکھتے، اپنے رفقاء کی خطائیں معاف کردیتے۔ جو شخص قسم کھاتا اسے سچا قرار دیتے اور اس کے متعلق اپنا علم پوشیدہ رکھتے۔ آپ سے زیادہ صاحب حیاء میں نے کوئی نہ دیکھا"---[۳۳]

(۳۳) بہجۃ الاسرار، صفحہ ۱۰۴

"سیدنا شیخ محی الدین عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ رقیق القلب، خدا سے بہت ڈرنے والے، بڑی ہیبت والے، از حد کریم الاخلاق اور پاکیزہ طبع تھے۔ محارم الٰہی کی بے حرمتی کے وقت سخت گیر تھے مگر اپنی ذات کے لیے انتقام نہ لیتے"---[۳۴]

(۳۴) بہجۃ الاسرار، صفحہ ۱۰۵

ان چند سطور میں آپ کے اخلاق عالیہ کا مختصر ذکر کیا گیا ہے، تاہم اس آئینے کے ہر گوشے میں "خلقِ عظیم" کی کرنیں جگمگاتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ رب کریم اس آثم و عاصی کو اور جملہ مسلمانوں کو اس مبارک زندگی کی روشنی میں صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق بخشے!

ازواج و اولاد

آپ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں، ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ تقریباً ۳۹، ۴۰ سال کی عمر تک آپ مجرد رہے۔ ایک سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا تھا کہ میں نے محض اتباع سنت کے لیے نکاح کیا ہے۔

صاحب زادے

اللہ تعالیٰ نے دیگر انعامات کی طرح اولاد بھی بکثرت عطا فرمائی، جو سب کی سب علم اور تقویٰ میں ممتاز ہوئی۔ ذیل میں آپ کے چند فرزندان گرامی کا ذکر کیا جاتا ہے، جو علم و فضل کی بلندیوں پر چمکے اور دینی خدمات میں اپنے عظیم

باپ کے نقش قدم پر چلے۔[۳۵]

(۳۵) دیگر صاحبزادگان، نیز آپ کے پوتوں اور نواسوں کے اسماء گرامی اور تذکرے کے لیے دیکھیے قلائد الجواہر، صفحہ۴۲ تا ۵۷۔ (کوکبؔ)

(۱) شیخ عبد الوھاب رحمۃ اللہ علیہ

بڑے صاحبزادے شیخ عبدالوہاب تھے۔ مجاہدات وریاضات میں والدِ ماجد کے طریق پر گامزن ہوئے۔ علوم میں بہت محنت کی، حتیٰ کہ والد ماجد کے مدرسے میں مدرس مقرر ہوئے۔ سنہ ولادت ۵۲۲ھ یا ۵۲۳ھ اور سنہ وفات ۲۵/شوال ۵۹۳ھ ہے۔ بغداد کے مقبرہ حلبہ میں مزار ہے۔

(۲) شیخ حافظ ابوبکر عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ

حافظ کا لقب دلالت کرتا ہے کہ آپ حافظ حدیث ہوں گے، کیوں کہ اس زمانے میں عموماً حافظ کا اطلاق اسی معنیٰ پر ہوتا تھا۔ روحانیت میں صاحب کمال اور ولی کامل تھے۔ آپ سب سے زیادہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں رہے اور شیخ کے سوانح کا ایک کثیر حصہ ان کے ہی قلم نے محفوظ کیا۔ ۵۲۸ھ، ۱۸/ذیقعد کو پیدا ہوئے، ۶/شوال ۶۰۳ھ میں فوت ہوئے۔ مزار بغداد باب حرب میں ہے۔

(۳) امام شرف الدین ابو محمد عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ

سنہ ولادت معلوم نہیں ہوسکا۔ زاہد ومتقی اور بلند پایہ عالم تھے، ایک مدت تک علوم کا درس دیتے رہے۔ صاحب تصانیف اور شعروسخن کا مذاق بھی رکھتے تھے۔ والد ماجد کی وفات کے بعد دوسرے سال یعنی ۵۶۲ھ میں شام چلے گئے، پھر مصر آگئے۔ جہاں ۱۲/رمضان ۵۷۲ھ میں وفات پائی۔ محلّہ قرافہ مصر میں مدفون ہوئے۔[۳۶]

(۳۶) آپ رحمۃ اللہ علیہ کی ایک تالیف "جواھر الاسرار و لطائف الانوار" کا ذکر صاحب قلائد الجواہر نے کیا ہے اور بتلایا ہے کہ اس کا موضوع علم تصوف ہے۔ حاجی خلیفہ نے صراحت کی ہے کہ تصوف کے ۳۷/اہم مسائل جن کی صوفیہ کو اکثر ضرورت پڑتی ہے، مثلاً حیرت، قبض، بسط، سکر اور صحو وغیرہ، اس مختصر کتاب میں تفصیل وشرح کے ساتھ سمجھائے گئے ہیں۔ دیکھیے قلائد الجواھر، صفحہ۴۲/ کشف الظنون، کالم ۶۱۲

علامہ رشید رضا نے دائرۃ المعارف للبستانی میں اپنے مقالے میں، اس تالیف کو غلطی سے حضور غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ دراصل یہ آپ کے صاحبزادے ابو محمد عیسیٰ جیلانی کی تالیف ہے۔(کوکب)

(۴) شیخ محمد رحمۃ اللہ علیہ

ولی اللہ اور محدث تھے۔ سنہ ولادت معلوم نہ ہوسکا۔ تاریخ وفات ۶۰۰ھ، ۱۵/ذیقعد ہے۔ حلبہ بغداد میں دفن ہیں۔

(۵) شیخ عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ

صاحب باطن اور ولی کامل تھے۔ ۷/صفر، ۵۸۹ھ میں فوت ہوئے۔ مزار مبارک بغداد ہی میں ہے۔

یک چراغیست دریں بزم کہ از پرتوِ آں
ہر کجا می نگری انجمنے ساختہ اند

"دراصل اس بزم میں ایک ہی چراغ جلوہ گر ہے اور ہر طرف اسی کے پرتو سے انجمن آرائی کی گئی ہے"---

علمی زندگی

دینی خدمات کو مقصد حیات بنانے والوں کے لیے علوم دینیہ کی مکمل واقفیت اور عام علوم سے بقدر ضرورت آگاہی نہایت لازم ہے۔ جاہل اور بے خبر اس وادی میں ایک قدم بھی نہیں چل سکتا۔ یہی باعث ہے کہ اسلام کے جملہ مجددین و مبلغین، علم و فضل میں بہت بلند پایہ واقع ہوئے ہیں۔ چوں کہ ہمارے ممدوح حضرت محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز کی ساری زندگی تبلیغ و اصلاح میں گزری، اس لیے یہ امر از حد ضروری ہے کہ آپ کے علمی مقام پر نہایت واضح اور مفصل تبصرہ کیا جائے، تا کہ ایک فاضل اور صاحب بصیرت مبلغ کی حیثیت سے آپ

کی مساعی کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ ہو سکے۔

طلب علم

یہ ایک عجیب بات ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے انسانوں کے ابتدائی حالات عموماً قدرت کی شان بے نیازی کے مظہر ہوا کرتے ہیں۔ جس ماحول میں وہ ظاہر ہوتے ہیں، اس کی فضائیں ان کے مقاصد کے بالکل برعکس ہوتی ہیں۔ ان کی راہ میں ہزاروں کانٹے اور لاکھوں رکاوٹیں آتی ہیں، لیکن ان کا ذوق جستجو، ان کا درد و کرب اور ان کا جذبہ عمل ہر مشکل پر قابو پاتا ہوا بالآخر منزل سے ہم کنار ہوتا ہے اور ضرور ہوتا ہے۔

بالکل ایسے ہی حالات میں حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کا ظہور ہوا۔ آپ کا گھرانہ شریف و نجیب تو ضرور تھا مگر متمول اور باثروت نہ تھا۔ آپ کے والد ماجد کا کل ترکہ اسّی اشرفیاں تھیں، جن میں دو بھائی برابر کے حصہ دار تھے۔ پھر اوائل عمر ہی میں والد کا انتقال ہو گیا۔ اب تربیت نانا کے سپرد ہوئی، جو ایک زاہد اور گوشہ نشین درویش تھے۔ ان کمزور مالی حالات کے علاوہ جیلان کا قصبہ اور نیف کی بستی ایسے مقامات تھے، جہاں بلند معیار کی علمی اور فکری تربیت کا کوئی بھی انتظام موجود نہ تھا، مگر ان بے سروسامانیوں اور ماحول کی سرد مہریوں میں تائید و توفیق الٰہی کے مضبوط ہاتھ نے آپ کو ٹھیک اسی راہ پر ڈال دیا، جس میں آپ نے عمر بھر کام کرنا تھا۔ یعنی اپنے گھر میں اور اپنی بستی کے مکاتب میں آپ ابتدائی تعلیم کے لیے تن دہی کے ساتھ مصروف ہو گئے۔ یہ سلسلہ ختم ہوا تو اعلیٰ تعلیم کے لیے چار سو میل کا پر خطر سفر طے کر کے بغداد پہنچے، جہاں آتے ہی قحط اور دیگر مشکلات سے واسطہ پڑا۔ بیس بیس دن تک فاقہ رہتا اور ہفتوں پیٹ میں لقمہ نہ جاتا۔ کبھی کبھار والدہ کچھ پیسے روانہ کر دیتی تھیں، مگر وہ ضروریات کے لیے ناکافی ہوتے۔

ان تمام صعوبات کے باوجود آپ نے تحصیل علم کی مہم کو حیرت انگیز استقلال کے ساتھ جاری رکھا اور بغداد میں تعلیم کے جتنے ممکن ذرائع ہو سکتے تھے، آپ نے ان سب کو اختیار کیا۔ یعنی نظامیہ میں داخلہ لینے کے ساتھ ساتھ آپ بعض دیگر نجی مراکز سے بھی وابستہ ہوئے، جیسا کہ پہلے حصے میں اشارہ کیا جا چکا ہے۔ علاوہ ازیں بغداد کے

علماء وفضلاء اور محدثین وفقہا سے ملاقاتیں کرتے رہتے اور اہل علم کی مجالس وعظ میں شریک ہوتے۔

محنت اور شوق کا یہ عالم تھا کہ فارغ اوقات میں بھی اپنا کام جاری رکھتے۔ اس مقصد کے لیے آپ نے دو نشست گاہیں بنا رکھی تھیں، ایک جنگل میں تھی اور دوسری بغداد کے محلّہ قطیعہ شرقیہ کی مسجد میں تھی۔

اساتذہ [۳۷]

(۳۷) حضرت کے اساتذہ کے اسماء گرامی ان کے علمی مقامات اور یہ تفصیل کہ کن کن شیوخ و اساتذہ سے کیا کیا حاصل کیا، اس کے لیے دیکھیے بہجۃ الاسرار، صفحہ ۱۰۵۔ (کوکبؔ)

بغداد میں جن فضلاء سے آپ نے علوم عالیہ کی تحصیل کی ان کی فہرست درج ذیل ہے:

۱......قاضی ابوسعید مبارک بن علی مخرمی
۲......محمد بن حسن باقلانی
۳......محمد بن عبدالکریم بن خشیش
۴......محمد بن علی بن میمون الرسی
۵......ابوبکر احمد بن مظفر
۶......جعفر بن احمد القاری السراج
۷......علامہ ابوزکریا یحییٰ بن علی تبریزی
۸......ابوالبرکات طلحہ بن احمد العاقولی
۹......ابومنصور عبدالرحمٰن القزاز
۱۰......ابوالحسین المبارک ابن الطیوری
۱۱......ابونصر محمد
۱۲......ابوغالب احمد
۱۳......ابوعبداللہ یحییٰ
۱۴......ابوالعز محمد بن مختار ہاشمی
۱۵......ابوالبرکات ہبۃ اللہ السقطی
۱۶......ابوطاہر عبدالرحمٰن بن احمد
۱۷......ابوطالب عبدالقادر بن محمد
۱۸......اسمٰعیل بن محمد اصبہانی
۱۹......ابوالقاسم علی بن احمد کرخی
۲۰......ابوالوفاء علی بن عقیل
۲۱......ابوالخطاب محفوظ بن احمد کلودانی
۲۲......ابوالحسن محمد بن قاضی ابی یعلی
اور
۲۳......محمد بن حسین بن محمد فراء

علومِ قرآن

سب سے پہلے آپ نے قرآن حکیم حفظ کیا (قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن وطن میں ہی یاد کرلیا تھا) پھر قراءت وتجوید اور روایات متداولہ کے ساتھ قرآن پڑھا۔

فقہ واصول

علوم فقہ واصولِ فقہ مندرجہ بالا فہرست میں سے پانچ اساتذہ سے حاصل کیے، جن کے اسماء نمبرا، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳ میں مذکور ہیں۔

تفسیر وحدیث

تفسیر افضل العلماء ابومحمد جعفر اور بحرالعلوم ابوسعید ہمدانی سے پڑھی۔ باقی کے ۱۷ اساتذہ شیوخ حدیث ہیں، جن سے آپ نے حدیث واصولِ حدیث کے جملہ علوم پڑھے۔ ادبیات عربیہ کی تعلیم علامہ تبریزی سے حاصل کی۔

اساتذہ کا مقام

جن فضلاء کے نام آپ کے اساتذہ کی فہرست میں آئے ہیں، یہ اس وقت کی اسلامی دنیا کے بلند پایہ علماء تھے۔ حضرت قاضی ابوسعید مخرمی رحمۃ اللہ علیہ قاضی القضاۃ کے عہدے پر فائز تھے اور علوم فقہ میں امام تھے۔ علامہ ابوزکریا تبریزی، نظامیہ یونی ورسٹی میں عربی لغت اور عربی ادب کے مدرس اعلیٰ تھے، ان کے قلم سے بہت سی قیمتی تصانیف نکلیں، مثلاً شرح اللمع، شرح دیوان حماسہ، شرح دیوان متنبی، شرح دیوان ابی تمام، شرح القصائد العشر، شرح سقط الزند، الکافی فی العروض والقوافی اور تفسیر القرآن و الاعراب وغیرہ۔

اسی طرح ابوالخطاب محفوظ کلودانی، ابوالحسن بن قاضی یعلی اور محمد بن حسین الفراء حنبلی، اہل علم میں چوٹی کے علماء تھے۔

علمی مقام

طلب علم کی کٹھن رہ گزاروں میں محنت، شوق، جستجو اور تحمل و استقلال کا زادِ راہ لے کر چلنے والے اس عظیم طالب علم کو فضل ایزدی کے دست رحمت نے وہ عظیم صلہ عطا کیا کہ دنیا نے اسے علوم و حکم کی بلندیوں پر بدر کامل کی طرح چمکتے ہوئے دیکھا اور عوام و خواص سب کو اس کے علمی مقام کا اعتراف کرنا پڑا۔[۳۸]

(۳۸) شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس علمی کمال کا ذکر یوں فرماتے ہیں:

''در جمیع علوم اصولاً و فروعاً و مذہباً و خلافاً از جمیع اعلام بغداد بلکہ کافہ علمائے بلاد در گزشت حتی

فاق الکل فی الکل و صار مرجع الجمیع فی الجمیع''---

دیکھئے اخبار الاخیار، صفحہ ۱۰۔ (آسی)

علامہ جوزی[۳۹] کی حیرانی

(۳۹) اس سے عبدالرحمٰن بن علی بن محمد المعروف بہ ابن الجوزی (متوفی ۵۹۷ھ) مراد ہیں۔ شیخ شطنوفی نے یہ واقعہ علامہ ابن الجوزی کے صاحبزادے ابومحمد یوسف بن ابی الفرج ابن الجوزی کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ انہیں حافظ ابوالعباس احمد البغدادی البندلجی نے بتایا کہ میں اور تمہارے والد مرحوم (ابن الجوزی) ایک مرتبہ شیخ محی الدین عبدالقادر جیلی کی مجلس وعظ میں حاضر ہوئے اور اس کے بعد پورا واقعہ بیان کیا۔ دیکھیے بہجۃ الاسرار، صفحہ ۱۱۸۔ (کوکبؔ)

علوم دینیہ میں سب سے اہم، علم تفسیر ہے۔ علم تفسیر میں حضرت شیخ کے مقام کا اندازہ اس واقعہ سے ہوسکتا ہے کہ ایک مرتبہ علامہ ابن جوزی اپنے ایک رفیق سمیت شیخ کی مجلس میں آئے۔ قاری نے ایک آیت پڑھی اور جناب شیخ اس کی تفسیر و توضیح میں اقوال بیان کرنے لگے۔ جب ایک توجیہہ کا بیان ختم ہوتا تو علامہ جوزی کا ساتھی

ان سے پوچھتا، کیا یہ توضیح آپ کے علم میں ہے؟ وہ کہتے "ہاں"۔ یہ سلسلہ گیارہ توجیہات تک تو جاری رہا، مگر اس کے بعد جب آپ نے بارہویں، تیرہویں، چودھویں اور علیٰ ہذا القیاس چالیس تک توضیحات بیان فرمائیں اور ہر قول کے قائل کا نام بھی بتلایا، تو علامہ ابن جوزی حیرت کا مجسمہ بن کر رہ گئے۔

اجتہاد

احادیث، فقہ، شرعیات اور مذاہب ائمہ پر اس قدر عبور حاصل تھا کہ خود صاحب اجتہاد تھے۔ چناں چہ جن مسائل میں اپنے حنبلی مسلک سے آپ کو اختلاف ہوتا، ان میں اپنے ذاتی اجتہاد پر عمل پیرا ہوتے تھے، لیکن عجیب اتفاق ہے کہ آپ کے ذاتی مجتہدات، عموماً امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مسلک سے مطابقت رکھتے ہیں اور میرے نزدیک یہ امر آپ کی فقہی بصیرت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

علماء آزمائش کو آئے

اختلافیات اور دقیق و مغلق مسائل میں اس قدر استحضار تھا کہ بغداد میں آپ کی تازہ شہرت سن کر سو بغدادی اہل علم آپ کی علمی کیفیت جانچنے کے لیے آئے۔ ان میں سے ہر ایک نے اپنی معلومات میں ایک سے ایک انتہائی مشکل سوال اپنے ذہن میں تجویز کیا ہوا تھا۔ جب مجلس میں پہنچے تو سرکار بغداد رضی اللہ عنہ نے روحانی تصرف سے معلوم کر کے ان کے سوالات بھی بتلا دیئے اور سب کے مفصل جوابات بھی ارشاد فرمادیئے۔ شیخ مفرج بن نبہان[۴۰] جو واقعہ کے راوی ہیں، بیان کرتے ہیں کہ علوم نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ بحر ذخار دیکھ کر ان لوگوں کی چیخیں نکل گئیں اور قدموں پر گر پڑے۔

(۴۰) پورا نام مفرج بن نبہان بن برکات الشیبانی ہے اور اس واقعے کی تفصیل انہی کی روایات سے قلائد الجواہر کے صفحہ ۳۳ پر موجود ہے۔ (کوکب)

مورخین کی رائے

دنیائے علم میں آپ کے مسلم ہونے کا ایک درخشاں ثبوت یہ بھی ہے کہ بڑے بڑے محتاط اور نقاد مورخین نے آپ کی جلالت علمی کا تذکرہ شاندار الفاظ میں کیا ہے، مثلاً حافظ زین الدین نے طبقات میں آپ کو ''اپنے دور کا علامہ''، ''علامة الحين'' لکھا ہے۔ صاحب سیرت النبلا نے ''معقل العلم'' (پناہ گاہِ علم) قرار دیا ہے۔ حافظ ابو سعید سمانی کا بیان ہے (اپنی تاریخ میں) کہ آپ مجتہد فی المذہب تھے اور میں نے آپ سے بہت سی احادیث قلم بند کیں۔ امام ابو عبداللہ الشبلی نے ''عزیز العلم'' (بہت زیادہ علم رکھنے والے) کے الفاظ سے یاد کیا ہے اور حافظ عماد الدین ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں یوں تذکرہ کیا:

کان له الید الطولیٰ فی الحدیث و الفقه---

''علوم حدیث اور فقہ میں آپ کو کمال دست گاہ حاصل تھی''---

علمی خدمات

آپ کی علمی خدمات پر نظر ڈالیے تو یوں محسوس ہوگا کہ جیسے آپ نے قرون اولیٰ کے فقہاء و ائمہ دین کے دوش بدوش کام کیا ہے۔ اس باب کی سب سے اہم چیز شعبہ تعلیم و تدریس ہے، جسے آپ نے ایسے معیاری طریق سے نبھایا کہ اس سے زیادہ ممکن ہی نہ تھا۔

مدرسہ

پیچھے گزرا ہے کہ قاضی ابو سعید مخرمی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی درس گاہ آپ کے سپرد کر دی تھی۔ آپ نے اس دارالعلوم کی توسیع کی اور طلباء کی بہت بڑی تعداد کے لیے انتظامات مہیا کیے۔ عمارت سے فارغ ہو کر ۵۲۸ھ میں تعلیم و تدریس کا کام وسیع پیمانے پر شروع کیا اور سیکڑوں طلباء نے داخلہ لیا۔

طلباء کی تعداد

ایک راویت کے مطابق آپ کے ہاں چھ سو طلباء ایک وقت میں تعلیم پاتے تھے۔ طلباء کی یہ کثیر تعداد ایک ایسے مدرسے میں حیرت انگیز ہے، جس کا انتظام صرف ایک شخص سے متعلق ہو اور مدرسے کے لیے حکامِ وقت کے نذرانے قبول نہ کیے جاتے ہوں۔

اوقات تعلیم

تعلیم تقریباً دن بھر جاری رہتی اور خود آپ دن کا سارا وقت مدرسے میں گزارتے۔ قبل دوپہر کی نشستوں میں علوم درسیہ کے اسباق ہوتے اور ظہر کے بعد علوم قرآنیہ کے لیے ایک خاص نشست تھی، جس میں آپ کلام اللہ کے معارف بیان فرماتے تھے۔[۴۱]

(۴۱) علامہ رشید رضا کے الفاظ یہ ہیں:

تفسیر، حدیث، فقہ اور اختلافات فقہی کی چاروں کلاسیں، آپ خود پڑھاتے۔ اس کے علاوہ دن کے دونوں کناروں پر (یعنی صبح و شام) آپ کے پاس تفسیر، حدیث، فقہ، اصول اور علم نحو کے طلباء پڑھتے اور ظہر کی نماز کے بعد آپ کے ہاں قراءت قرآنی کا درس ہوتا تھا۔

دیکھئے دائرۃ المعارف للبستانی، صفحہ ۶۲۱۔ (کوکبؔ)

دُور کے طلباء

بغداد کے علاوہ یمن، حران، ہرات، حجاز، شام اور مصر کے طلباء بھی آپ کے ہاں تعلیم پاتے تھے۔ اسلامی دنیا سے دور دراز کے لوگ آپ کے ہاں آتے، فیض یاب ہوتے اور پھر اپنے علاقوں میں جا کر دینی خدمات میں مصروف ہو جاتے۔ آپ کے مدرسے کے اکثر طلباء دنیائے علم و حکمت میں ائمہ و شیوخ کے القاب سے ممتاز ہوئے۔

دیگر مدرسین

مدرسے میں دوسرے مدرسین کی بھی کثیر تعداد موجود تھی، جن میں آپ کے بعض صاحبزادگان بھی شامل تھے، تاہم کام کا بہت بڑا حصہ آپ خود ہی سرانجام دیتے تھے۔ موصل کے ایک عالم خضر حسینی کا بیان ہے کہ جناب شیخ تیرہ علوم کے اسباق عالیہ خود پڑھاتے تھے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ اور اختلاف مذاہب کی تدریس میں زیادہ دل چسپی لیتے تھے۔ امام ابن قدامہ، ۵۶۱ھ میں آپ کے دارالعلوم میں آئے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ جو طالب علم اس درس گاہ میں داخل ہو جاتا تھا، پھر کسی دوسری جگہ کا کبھی رخ نہ کرتا، کیوں کہ یہاں علوم کی ہر شاخ پر نہایت اعلیٰ تعلیم میسر تھی۔

مبلغین کو تربیت

جو طالب علم تحصیل سے فارغ ہو جاتا، اسے کسی مناسب مقام پر کام کرنے کے لیے روانہ فرما دیتے تھے مگر پہلے اپنی نگرانی میں کچھ دیر اسے کام کرنے کا موقع دیتے تا کہ پختگی پیدا ہو جائے۔ چناں چہ ملک شام کے شیخ زین الدین آپ کے مدرسے میں ایک عرصہ تعلیم پا کر فارغ ہوئے تو جناب شیخ نے پہلے خود اپنے ہاں بغداد میں ان کے وعظ منعقد کرائے اور ہر طرح مطمئن ہو جانے کے بعد انہیں دمشق جانے کی اجازت دی۔ بعد میں وہ دمشق سے مصر آ کر تبلیغی زندگی میں مصروف ہو گئے اور ۵۹۹ھ میں یہاں انتقال کیا۔ آپ واعظِ مصر کے لقب سے معروف تھے، حکام و امراء ان کا ازحد احترام کرتے۔ ایک مرتبہ کسی ملکی خدمت کے صلے میں ڈیڑھ لاکھ دینار ان کی خدمت میں پیش کیے گئے تھے۔

شیخ زین الدین بھی اپنے محبوب مربی و معلم کے نقش قدم پر تمام عمر، دینی خدمات میں منہمک رہے اور یہی عالم ان صدہا تلامذہ کا تھا، جو آپ کے دارالعلوم میں تعلیم پا کر اسلامی دنیا کے طول و عرض میں پھیل چکے تھے۔ آپ کے تربیت دادہ سیکڑوں علماء و فضلاء میں سے چند ناموں کی فہرست درج ذیل ہے:

چند تلامذہ

شیخ احمد بن وہب ہروی، قاضی القضاۃ عبدالملک بن عیسیٰ، شیخ زین الدین شامی واعظِ مصر، محمد بن ازہر صیرفی، یحییٰ بن البرکہ، عبدالملک بن کالیائی، عثمان بن کالیائی، عبداللہ بن عبدالملک کالیائی، عمر بن احمد یمنی، عبداللہ بن نصر بکری، علی بن ابوطاہر انصاری، محمد بن ابومکارم یعقوبی، عبدالجبار بن ابوالفضل القفصی، محمد بن احمد بن بختیار، عبدالملک بن ایال، عبدالغنی بن عبدالواحد المقدس، رافع بن احمد، احمد بن اسمٰعیل منصوری، امام ابن قدامہ حنبلی، ابراہیم ابن بشارۃ اللہ، ہلال بن مظفر عاتولی، عبدالمنعم بن علی حرانی، عبداللہ بطائحی، عثمان یاسری، ابراہیم حدادیمنی، ابنائے عبدالرحمٰن، عبداللہ بن محمد بن ولید، عطیف بن زیادیمنی، صالح عبداللہ بن حسین اکبری، شریف احمد بن منصور، امام ابوعمرو عثمان شافعی زمان، ابوالقاسم ابن ابوبکر احمد، علی بن ابوبکر بن ادریس، شیخ محمد بن قائد الدرانی، عبدالعزیز بن ابونصر، شیخ طلحہ بن مظفر ہاشمی، شیخ عبداللہ رویبی، حسن بن عبداللہ انصاری، شیخ ابومحمد حسن القاری۔

فتویٰ نویسی

درس گاہ میں فتاوئ کے لیے ایک مستقل شعبہ تھا، مگر اس شعبے کا اکثر کام بھی آپ نے اپنے ذمے ہی لے رکھا تھا، ہوتے ہوتے یہ شعبہ بہت زیادہ وسعت اختیار کر گیا۔ تقریباً عراقِ عرب و عراق عجم کے اکثر شہروں کے استفتاء آپ کے پاس آنے لگے۔ کام کی کثرت کے باوجود آپ کے ہاں فتاوئ نویسی میں تاخیر نہ ہوتی تھی۔ خلف صالح شیخ عبدالرزاق اور شیخ ابوقاسم عمر بزاز حیرت سے بیان کرتے تھے کہ ہم نے کبھی ایسا نہیں دیکھا کہ آپ کے دارالافتاء میں کوئی استفتاء ایک رات سے زیادہ رکا ہو۔ طبیعت میں اس قدر استحضار تھا کہ سوال پڑھتے ہی برجستہ جواب تحریر فرمادیتے۔ مگر کبھی ایک موقع بھی ایسا نہ آیا کہ کسی نے گرفت کی ہو۔ عراق کے بڑے بڑے علماء جب آپ کے تحریر کردہ جوابات پڑھتے تو آپ کی فقہی بصیرت پر انگشت بدنداں رہ جاتے۔

فتویٰ عجیبہ [۴۲]

ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر میں ایسی عبادت نہ کروں جو دنیا میں اس وقت اور کوئی نہ کرتا ہو تو تجھے تین طلاقیں ہوں گی۔ اس استفتاء کے لیے عرب وعجم کے مفتی سر بہ گریباں تھے مگر جب جناب شیخ کے دارالافتاء میں وہ پرچہ آیا تو آپ نے فوراً اس کی پشت پر لکھ دیا:

''اس شخص کے لیے خانہ کعبہ کچھ دیر تک خالی کرا دیا جائے تاکہ یہ اکیلا طواف کرلے۔ اس طرح اس کی قسم پوری ہو جائے گی اور بیوی کو طلاق نہ ہوگی''---

آپ کے اس بے نظیر جواب پر، عراق کی دنیائے علم میں حیرت وتعجب کی لہر دوڑ گئی۔

(۴۲) بعض اوقات یہ واقعہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف غلطی سے منسوب کیا جاتا ہے، حالاں کہ شیخ شطنوفی نے اسے بالصراحت حضرت غوث صمدانی کے واقعات میں درج کیا ہے۔ دیکھئے بہجۃ الاسرار، صفحہ ۱۱۸

آپ کا مسلک

گو آپ حنبلی المذہب تھے مگر فروع میں حنبلی مسلک کے کلی طور پر پابند نہ تھے، کیوں کہ آپ خود مجتہد تھے۔ چناں چہ اکثر مسائل اور فتاویٰ ذاتی اجتہاد سے بیان فرماتے، جو حنفی مسلک سے مطابقت کھا جاتے تھے۔ بہر کیف تعلیم وتدریس اور فتاویٰ نویسی کی یہ خدمات ۵۲۸ھ سے شروع ہو کر سنہ وفات ۵۶۱ء تک یعنی ۳۳ برس کی مدت تک جاری رہیں۔

ان سطور کے مطالعے سے، جناب شیخ کی ''علمی زندگی'' کا نقشہ آپ کے سامنے ہے۔ غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ علوم دینیہ میں اس تبحر وبصیرت کا مالک اور شرعیات کی تعلیم میں ایسی گراں قدر خدمات کا حامل، آپ کے اس دور میں دوسرا کوئی شخص نظر نہیں آتا اور حقیقت تو یہ ہے کہ تاریخ میں اس پائے کی ہستیاں عزیز ونادر ہی ہوا کرتی ہیں۔

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

روحانی زندگی

مجاہدات

حضرت غوث صمدانی رضی اللہ عنہ کی ریاضت ومجاہدات کا ذکر پہلے آچکا ہے کہ آپ کے دن کس درد و کرب میں اور راتیں کس سوز وگداز میں گزرتی تھیں۔ رات کی خاموشیوں میں قرآن کی تلاوت شروع کر دیتے تو کھڑے کھڑے صبح ہو جاتی۔ خلوت پذیری کے ذوق میں نکلے تو برسوں تک صحراؤں میں محوِ انجمن آرائی رہے اور طویل مدتوں تک انسانی چہرہ نہ دیکھا۔ نوافل، تلاوت، روزے، شب بیداری، نفس کشی، جہد و ریاضت اور تنہا باشی کا یہ دور آپ نے بڑے استقلال کے ساتھ طے کیا۔[۴۳]

(۴۳) حضرت شیخ محقق (عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ) ان مجاہدات کے سلسلے میں فرماتے ہیں:

''حضرت غوث رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں پچیس سال تک تجرید کے رنگ میں عراق کے صحراؤں اور ویرانوں میں گھومتا رہا...... و با خدا عہدی بستم کہ نخورم تا نخورانند، و مدت ہائے مدید بریں میگزشت و عہدی شکستم و ہرگز عہدے کہ با خدا بستم نہ شکستم''---

دیکھیے اخبار الاخیار۔ (آسی)

مجاہدات کی ضرورت

گو یہ بات اپنی جگہ پر درست ہے کہ اکابرِ دین کا مقصد حیات دراصل خدماتِ دین سے متعلق ہوتا ہے، مگر اس سلسلے کے کمال کے لیے زندگی میں ریاضت وخلوت کا دور آنا بھی ضروری ہوتا ہے، کیوں کہ ایک کامل داعیٔ دین کے لیے دین کے رازِ حقیقی اور روحانیت کے اسرارِ خفیہ سے واقف ہونا از حد ضروری ہے، تا کہ وہ طمانیتِ قلب کے مقام پر کھڑا ہو کر دین کی صدا بلند کرے اور یہ اطمینانِ قلب یا ''مشاہدۂ حقیقت'' ایسی دولت ہے جو خلوت و تجرد کی پاکیزہ اور خاموش

فضاؤں میں عطا ہوا کرتی ہے۔ چناں چہ انبیاء کی زندگیوں میں بھی ایسے مرحلے موجود ہیں۔

گوہر مقصود کی تلاش

اسی حقیقت کے پیش نظر ہمارے ممدوح اور اپنے وقت کے سب سے بڑے عالم دین حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے سنت انبیاء کے مطابق تجرد اور تنہائی کی یہ راہ اختیار فرمائی۔ گوہر مقصود کی تلاش میں کبھی عارفین واولیاء سے ملتے، کبھی راتوں میں محو مناجات ہوتے اور کبھی مادیت بھری دنیا کی شنگی وشوخی سے دل برداشتہ ہو کر دریاؤں کے کناروں اور صحراؤں کی وسعتوں میں جا نکلتے۔ لیکن اس باب میں یہ بات خصوصیت کے ساتھ یاد رہے کہ حضرت شیخ رضی اللہ عنہ زندگی کے ہر دور میں ''سنت مصطفوی'' کے پوری شدت کے ساتھ پابند رہے۔

نفس کے ساتھ یہ کٹھن جنگ اور منزل حقیقت کی راہوں میں عاشقانہ تگ ودو کا یہ متواتر سلسلہ مدتوں تک جاری رہا اور اس دور میں آپ نے خطرات وخدشات نفس کا تجزیہ آخری حد تک کر لیا۔ خود فرماتے ہیں:

> ''ایک سال میں وساوس کے تعلقات قطع کیے، ایک میں اسباب خلق کے بندھن توڑے، ایک میں خطرات قلب کے رابطے ختم کیے اور پھر خواہشات نفس کو منقطع کرتا ہوا توکل کے دروازے پر آیا۔ یہاں طالبین کا ہجوم پایا، آگے بڑھا اور شکر کے دروازے کو دیکھا، پھر غنا اور مشاہدے کی منزلوں سے گزرا، مگر ہر جگہ ہجوم نظر آئے۔ آخر میں فقر کے دروازے پر پہنچا، جہاں مکمل سکون تھا۔ یہاں داخل ہوا تو فضل الٰہی نے آگے بڑھ کر دستگیری کی اور روحانی خزانوں سے مالا مال فرما دیا''---

منزل

اس طرح پچیس برسوں کی صبر آزما مدت میں یہ دشوار گزار راستہ ختم ہوا اور خدائے تعالیٰ نے آپ کو منزل سے ہم کنار کیا۔ حقائق قدرت کا مشاہدہ ومعائنہ ہونے لگا۔ ''نظامِ امر'' کے سلسلے عیاں ہو گئے۔ ادھر روحانیت والوں کی مرجعیت ومقتدائیت عطا ہو گئی۔ وقت کے اولیاء اور زمانے کے اقطاب وابدال نیاز مندی کی نسبت پر فخر

کرنے لگے۔شیخ شطنوفی لکھتے ہیں:

اولیاء میں احترام

''شیخ بقا بن بطو، شیخ ابو سعد قیلوی اور شیخ علی بن ابی نصر ہیتی رحمہم اللہ جناب شیخ کے مدرسے کی طرف آتے تو پہلے دروازے پر جھاڑو دیتے اور چھڑکاؤ کرتے اور بغیر اجازت دروازے میں داخل نہ ہوتے۔ جب جناب شیخ اپنے پاس بیٹھنے کے لیے فرماتے تو نہایت ادب کے ساتھ بیٹھ جاتے۔کبھی جناب کی سواری کہیں جاتی تو یہی اولیاءِ زمان آگے بڑھ کر لگام تھامتے''---[۴۴]

(۴۴) اصلی عربی الفاظ ملاحظہ ہوں:

''یأتون مدرسة الشیخ عبد القادر رضی اللہ عنه و یکنسون بابها و یرشونه و لا یدخلون علیه الا باذن''---[بہجۃ الاسرار، صفحہ۱۶۰]

حج پر تشریف لے گئے تو شیخ ابن مرزوق اور شیخ ابو مدین نیاز مندانہ حاضر ہوئے اور آپ کے دست مبارک سے خرقے پہنے۔شیخ ابو نصر ہیتی فرماتے ہیں:

جناب شیخ رضی اللہ عنہ حضرت معروف کرخی رضی اللہ عنہ کے مزار پر گئے، میں بھی ہمراہ تھا، سلام کے بعد فرمایا:

''اے شیخ معروف! آپ ہم سے ایک درجہ آگے ہیں''---

پھر ایک عرصہ کے بعد دوبارہ گئے تو فرمایا:

''اے شیخ معروف! السلام علیک ہم آپ سے دو درجے آگے بڑھ گئے ہیں''---

شیخ معروف رضی اللہ عنہ کی قبر سے آواز آئی:

و علیك السلام یا سید اهل الزمان---[۴۵]

''اے وقت کے سردار! تم پر سلامتی ہو''---

(۴۵) دیکھئے بہجۃ الاسرار، صفحہ۲۳

خانقاہ اور تربیت صوفیہ

"علمی زندگی" کی تفصیلات میں سرکار غوثیت مآب رضی اللہ عنہ کے مدرسے کا ذکر گزر چکا ہے، مگر اس باب میں مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ یہ مدرسہ طلباء کا دار العلوم ہونے کے ساتھ ساتھ فقر و تصوف کی بہت بڑی تربیت گاہ بھی تھا۔ گویا "علمی زندگی" کے بیان میں آپ اسے مدرسہ کہہ لیں، مگر روحانی زندگی کے ذکر میں اسے صوفیہ کی خانقاہ کہیں۔ مدعا یہ ہے کہ فقراء اور صوفیہ کی جماعتوں کی جماعتیں آپ کے ہاں زیر تربیت رہتی تھیں۔ بہت سے اولیاء اور مشائخ اپنے علاقوں سے وقتاً فوقتاً حاضر خدمت ہوتے رہتے تھے۔ جن میں زریران، نہروان، بادزان، موصل، عراق عرب، عراق عجم اور سرزمین شام تک کے لوگ شامل نظر آتے ہیں۔

پیشوائی

اولیاء کی سرداری اور پیشوائی کا جو مرتبہ علیا آپ کو مرحمت ہوا تھا، اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ ایک دن آپ نے بغداد میں اپنی مجلس میں ارشاد فرمایا:

"بفضلہٖ تعالیٰ میرا قدم اولیاء کے کندھوں پر ہے"---

تو مجلس میں حاضر ہونے والے بیسیوں مشائخ نے اٹھ کر آپ کا قدم مبارک اپنے کاندھوں پر لے لیا۔ جن میں شیخ ابوالنجیب عبدالقاہر اور شیخ شہاب الدین سہروردی جیسے اعیانِ وقت بھی شامل تھے۔ علاوہ ازیں دور دراز کے علاقوں کے اولیاء نے اپنے اپنے مقامات پر اسی وقت گردنیں جھکا کر سرکار بغداد رضی اللہ عنہ کے اس اعلان کو تسلیم کیا۔ چناں چہ شیخ حیات بن قیس حرانی، حران میں جھک گئے۔ شیخ ابومدین مغرب میں، شیخ عبدالرحیم قنا میں، شیخ عدی بن مسافر بالس میں، شیخ سوید سنجار میں، شیخ احمد بن رفاعی ام عبیدہ میں، شیخ عبدالرحمٰن طفسونج میں اور شیخ محمد بن موسیٰ بصرہ میں سر تسلیم خم ہو گئے۔

اسی طرح بلاد الٰہی کے تین سو تیرہ اولیاء اللہ نے اس فرمان کے احترام میں اپنے سر جھکا دیے۔ یعنی ۶۰/اولیاء عراق عرب میں، ۴۰/عراق عجم میں، ۱۷/حرمین شریفین میں، ۳۰/شام میں، ۲۰/مصر میں، ۲۷/مغرب میں،

۲۳ ریمن میں، ۱۱ رحبشہ میں، ۷ رسد سکندری میں، ۷ رسراندیپ میں، ۴۷ رجبل قاف میں اور ۳۵ رجزائر بحر محیط میں جبین نیاز جھکانے والوں میں شامل تھے۔[۴۶]

(۴۶) مولانا جامی قدس سرہ السامی نے اس واقعہ کی طرف یوں اشارہ فرمایا ہے:

سر بر قدمت جملہ نہادند و بگفتند
تاللہ لقد اٰثرک اللہ علینا

"اے امام الاولیاء! تمام اولیاء نے آپ کے مبارک قدموں میں اپنا سر رکھ دیا اور بیک آواز پکار کر وہی بات کہنے لگے جو یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کہی تھی، یعنی خدا کی قسم "خدا نے آپ کو ہم سب پر فضیلت دی ہے"۔

جامی رحمۃ اللہ علیہ کی اس منقبت کا پہلا شعر یہ ہے:

وصف تو چہ گویم شہ غوث الثقلینا
محبوب نبی ، ابن حسن ، آل حسینا (آسی)

سلاسل اربعہ کے لیے منبع فیض

فیوضات طریقت کے مسالک چار ہیں، مگر ان سب کے لیے منبع افاضات آپ ہی کا آستانہ ہے۔ چناں چہ سہروردی، چشتی اور نقشبندی سلاسل کے مرکزی پیشواؤں نے حضرت غوث صمدانی رضی اللہ عنہ کے بارے میں جن احساسات کا اظہار فرمایا ہے، ان کی چند جھلکیاں ملاحظہ ہوں:

شیخ شہاب الدین سہروردی[۴۷] بانی طریقہ سہروردیہ ارشاد فرماتے ہیں:

مجھے عہد تعلم میں فلسفہ وکلام سے ازحد شغف تھا، میرے چچا نجیب الدین مجھے شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لے گئے اور کہا، یہ لڑکا "فلسفیات" کو نہیں چھوڑتا۔ اس پر جناب شیخ نے مجھے آگے بلایا اور پوچھا، بیٹا! کون سی کتابیں پڑھ لی ہیں؟ اس کے بعد کا واقعہ خود ان کے الفاظ میں سنیے:

فمرّ یدہ علیٰ صدری ، فواللّٰہ لما نزعھا انا لا احفظ من تلک الکتب لفظة...... و لکن وقر اللّٰہ فی صدری العلم اللدنی---

''پس آپ نے اپنا ہاتھ میرے سینے پر پھیرا، چناں چہ جوں ہی ہاتھ اٹھایا کہ مجھے اس ذخیرہ کتب سے ایک لفظ بھی یاد نہ تھا۔ لیکن خدا نے میرے سینے میں علوم لدنیہ بھر دیے''---

(۴۷) اس کے علاوہ ان کی عقیدت اخبار الاخیار کی درج ذیل عبارت سے بھی ظاہر ہے:

شیخ بزرگ شہاب الدین عمر سہروردی فرمودہ است، **کان الشیخ عبد القادر سلطان الطریق المتصرف فی الوجود علی التحقیق و کانت له الید المبسوطة من اللّٰہ فی التصریف و الفعل الخارق الدائم**''---[صفحہ۱۶]

''شیخ بزرگ شہاب الدین عمر سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ حضرت شیخ عبدالقادر رضی اللہ عنہ طریقت کے بادشاہ بالتحقیق وجود میں متصرف تھے اور تصرفات وکرامات میں آپ کو عظیم دخل حاصل تھا''---

حضرت خواجہ چشت رضی اللہ عنہ [۴۸] کی آپ سے عقیدت مندی کا یہ عالم ہے کہ جناب کے ارشاد ''**قدمی ھذہ علیٰ رقبة کل ولی للّٰہ**'' کو سن کر کہا: **بل علی حدقة عینی**---

''آپ کا قدم مبارک تو میری آنکھوں کی پتلیوں پر ہے''---[۴۹]

(۴۸) خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی اجمیری قدس سرہ العزیز نے حضور کی شان میں قصائد بھی لکھے ہیں۔ مشہور ترین قصیدے کا مطلع حسب ذیل ہے:

یا غوث معظم نور خدا ، مختار نبی مختار خدا
سلطان دو عالم قطب ہدیٰ ، حیران ز جلالت ارض و سما

مقطع میں فرماتے ہیں:

معیں کہ فدائے نام تو شد دریوزہ گر اکرام تو شد
شد خواجہ ازاں کہ غلام تو شد دارد طلب تسلیم و رضا (آمین)

(۴۹) نفحات الانس، جامی

نقشبندی طریق کے راہ نما قطب ربانی مجدد الف ثانی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ اپنے آخری مکتوب میں فرماتے ہیں:

تا آں کہ نوبت بہ شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ رسید۔ چوں نوبت ایں بزرگوار رسید...... وصول فیض و برکات دریں راہ بہر کہ باشد از اقطاب و نجباء و بدلاء بتوسط شریف وے رضی اللہ مفہوم می شود۔ چہ ایں مرکز غیر اورا میسر نہ شد۔ ایں جاست کہ فرمودہ:

افلت شموس الاوّلین و شمسنا
ابداً علی افق العلی لا تغرب

"یہاں تک کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کا زمانہ آگیا، جب آپ کا زمانہ آچکا، تو اب ہر کسی کو راہ (طریقت) کے فیض و برکات آپ ہی کے ذریعے سے عطا ہو سکتے ہیں، خواہ صالحین اور اقطاب و ابدال میں سے ہو، کیوں کہ یہ مقام کسی دوسرے کا نہیں۔ اسی لیے آپ نے خود فرمایا:

دوسروں کی روشنیاں مدہم ہوگئیں، مگر میرا خورشید بلندی کے آفاق پر ہمیشہ چمکتا رہے گا" ---

ان حقائق سے معلوم ہو جاتا ہے کہ طریقت کے یہ سلسلے دراصل اُس مشعل کے مانند ہیں، جس میں مختلف رنگوں کے شیشے لگے ہیں، مگر روشنی کا مرکز ایک ہی ہے اور وہ مرکزِ نور بغداد کا خورشید درخشاں ہے۔

تبلیغی زندگی

اس باب میں ہم سرکار غوثیت پناہ کی دینی خدمات کے اس حصے کا ذکر کرنا چاہتے ہیں، جس کا تعلق تبلیغ و دعوت سے ہے اور یہی ہمارا اہم ترین مبحث ہے، کیوں کہ اسلام میں اشخاص و رجال کی عظمت و مقبولیت کا راز، انہی دینی تبلیغی اور اجتماعی خدمات میں مضمر ہوتا ہے۔

جب ہم حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کو ایک مبلغ و داعی کی حیثیت سے دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ گویا قدرت نے

اس مبارک زندگی کو خاص اسی کام کے لیے پیدا فرمایا تھا۔ کیوں کہ اس زندگی کے گوشوں میں وہ تمام صلاحیتیں اور خصوصیتیں بدرجہ اتم جمع کردی گئی تھیں جو ایک کامل داعیٔ دین کے لیے ضروری ہوتی ہیں۔ آپ کی مجلس وعظ، آپ کے اسلوب بیان، آپ کے خطیبانہ مقام اور آپ کے کام کے اثرات و نتائج، غرض اس ضمن کی جس چیز پر نظر ڈالیے خصائص عالیہ سے متصف نظر آتی ہے۔

مجلس وعظ کی خصوصیات

ایک مرتبہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے عمر بن حسین طیبی سے فرمایا:

''میری مجلس وعظ سے غیر حاضر نہ ہوا کرو، کیوں کہ یہاں روحانی برکات کی خلعتیں تقسیم ہوا کرتی ہیں''---

شیخ عمر طیبی کہتے ہیں، اس بات کو ایک رات گزر گئی اور ایک دن میں آپ کے وعظ کے دوران میں ذرا اونگھ گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ آسمان سے سرخ رنگ کی چمکتی ہوئی خلعتیں اتر رہی ہیں اور اہل مجلس کو مل رہی ہیں۔ یہ دیکھ کر میں اچانک چونک گیا، آنکھ کھلی تو جی چاہا کہ سب اہل مجلس کو مطلع کردوں مگر شیخ نے منع فرمادیا۔

شیخ ابوسعید قیلوی رحمۃ اللہ علیہ عراق کے اقطاب میں سے تھے۔ بغداد کے قریب قیلویہ بستی میں رہتے تھے اور بغداد میں جناب شیخ کے مواعظ سننے کے لیے اکثر آیا کرتے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے کئی مرتبہ آپ کی مجلس وعظ پر انبیاء کرام علیہم السلام کے انوار اور بعض اوقات جناب رسالت مآب سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا نور بھی چمکتا ہوا دیکھا ہے۔[۵۰]

(۵۰) دیکھئے بہجۃ الاسرار، صفحہ۹۳ (کوکب) نیز شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حضرت حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نیز از برائے تربیت و تائید تجلی می فرمودند---[اخبار الاخیار، صفحہ۱۳]

''سرکار دوعالم علیہ الصلوٰۃ والسلام وآلہ اجمعین حضرت کی تربیت اور تائید کے لیے تجلی فرماتے تھے''

نیز فرماتے ہیں:

جمیع اولیاء وانبیاء احیا باجساد و اموات بارواح وجن وملائکہ در مجلس او حاضر می شدند---

اس کی وجہ یہ ہے کہ جب حضور مرکزِ کائنات سید موجودات علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل التحیات تشریف فرما ہوں تو انبیائے کرام اور اولیائے عظام میں سے کون پیچھے رہ سکتا ہے؟ بلکہ جناب خضر علیہ السلام تو جس ولی سے بھی ملتے تھے، خصوصی طور پر یہی تلقین فرماتے تھے۔ شیخ محقق فرماتے ہیں:

خضر علیہ السلام اکثر اوقات از حاضران مجلس شریف می بود و از مشائخ عصر ہر کرا ملاقات می کرد وصیت می نمود بملازست مجلس شریف او۔ می فرمود مَنْ اَرَادَ الْفَلَاحَ فَعَلَيْهِ بِمَلَازَمَةِ هٰذَا الْمَجْلِس۔ دیکھئے اخبار الاخیار، (آسی)

دورانِ وعظ کرامات

جب آپ مسند ارشاد پر متمکن ہوتے قوت قدسیہ کی تائیدات ساتھ شامل ہوتیں اور بعض اوقات عجیب امور ظہور پذیر ہوتے۔ ۵۲۹ھ میں اندلس سے چل کر ایک شخص آیا، مجلس وعظ میں پہنچا، آپ کا وعظ سنا، تبحر علمی کی شان دیکھ کر اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ کاش جناب شیخ رضی اللہ عنہ فلاں مسائل پر اظہار خیال فرمائیں، تاکہ آپ کی تحقیقات سے میرے شبہات دور ہو جائیں۔ جونہی اس کے دل میں خیال پیدا ہوا، جناب شیخ رضی اللہ عنہ نے قلبی تصرف سے معلوم کر لیا اور فی الفور انہی مسائل پر ایسی جامع تقریر کر دی، جس سے اس شخص کی تشفی ہو گئی۔

ایک دن جب کہ آپ ایک بہت بڑے اجتماع میں وعظ کہہ رہے تھے، ایک دم ابر چھا گئے اور بارش شروع ہو گئی، مجلس میں کچھ لوگ ادھر ادھر ہونے لگے۔ آپ نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر فرمایا:

”اے بادل! میں مخلوق خدا کو ذکر خدا کے لیے جمع کرتا ہوں اور تو منتشر کرنا چاہتا ہے“---

راوی لکھتا ہے، یہ کہنا تھا کہ بارش بند ہو گئی۔ ان روایات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ دوران خطاب آپ

کی معنوی اور قلبی کیفیات کس قدر منور ہوتی تھیں اور تائید ایزدی کس طرح شامل حال ہوتی تھی۔

خطیبانہ خصوصیات

اگر ہم آپ کے روحانی و دینی مقام سے قطع نظر کرتے ہوئے آپ کو محض ایک خطیب کی حیثیت سے دیکھیں تو بھی فنی اعتبار سے آپ ایک بلند پایہ خطیب تسلیم کیے جائیں گے۔ قدرت نے آواز ایسی بلند اور بھر پور عطا کی تھی جو ہزار ہا کے مجمع میں دور اور نزدیک سے یکساں سنی جاتی تھی۔ سینہ کشادہ تھا، پیشانی چوڑی اور بلند تھی، ڈاڑھی گھنی اور پھیلی ہوئی تھی، آنکھیں سیاہ اور چمکیلی تھیں، چناں چہ جب ممبر پر بیٹھ جاتے تو اہل مجلس پر سناٹا چھا جاتا اور جب گفتگو شروع کر دیتے تو ایک ایک لفظ توجہ کے ساتھ سنا جاتا۔ آپ کا انداز بیان بھی بہت سی خوبیوں پر مشتمل تھا، تشبیہات، تمثیلات اور استعارات بھی استعمال فرماتے۔ مضمون بلند ہونے کے باوجود اتنا دل پذیر اور موثر ہوتا تھا کہ راستہ چلتے ہوئے لوگ کھڑے ہو جاتے۔ ابن اثیر لکھتا ہے:

”حقائق عالیہ کو وعظ کے رنگ میں لا کر بیان کرنے میں آپ کو بڑا کمال حاصل تھا“---

تقریر کی حالت میں آپ کی قلبی طمانیت اور استقلال کا یہ عالم ہوتا تھا کہ ایک مرتبہ دوران تقریر میں چھت سے ایک سانپ گرا اور آپ کی گردن میں لپٹ گیا۔ شیخ احمد بن صالح جیلی اس واقعے کے راوی ہیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ حاضرین پر ہراس طاری ہو گیا کہ مبادا کوئی گزند نہ پہنچے مگر آپ نے سلسلہ کلام جاری رکھا اور اپنی جگہ سے حرکت نہ فرمائی۔ اتفاق دیکھیے کہ اس تقریر میں آپ تقدیر کے مسائل پر گفتگو کر رہے تھے۔

ایک خطیب کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ عوام میں مقبول اور ہر دل عزیز ہو، تاکہ اس کی باتوں کو محبت اور دل چسپی سے سنا جائے۔ حضرت شیخ رضی اللہ عنہ کی محبوبیت کا اندازہ یہاں سے ہوتا ہے کہ اگر آپ سفر پر جاتے تو جس بستی میں بلکہ جنگل میں قیام کرتے مخلوقِ خدا فرط عقیدت سے جمع ہو جاتی اور ویرانوں میں چہل پہل کے سے بندھ جاتے۔ بغداد میں جب بازار کی طرف نکلتے تو امیر و غریب استقبال کے لیے کھڑے ہو جاتے۔ شہر میں جن مقامات پر وعظ کی مجلس منعقد ہوتی تھی وہ زبان زد عام و خاص ہو چکے تھے۔ لوگوں کو جگہ اور پروگرام کا علم ہوتا تھا

اور وقت مقررہ پر ہزار ہا کی تعداد میں لوگ کھچے چلے آتے تھے۔

خصوصیاتِ وعظ

آپ کے مواعظ کی عجیب ترین خصوصیت یہ تھی کہ ہر نشست کی گفتگو بہ یک وقت عوام اور خواص (علماء وصوفیہ) ہر دو طبقوں کے لیے قابل فہم اور موزوں ومناسب ہوتی۔ علماء کی دل چسپی کا یہ عالم تھا کہ چار چار سو کی تعداد میں ایسے اہل علم ہر مجلس میں شریک ہوتے جو آپ کا ایک ایک کلمہ لکھ لیتے تھے اور عامۃ الناس پر تاثیر کی یہ کیفیت ہوتی تھی کہ وہ بے خود ہو ہو جاتے۔ آغاز میں ایک محلّہ میں وعظ کی ابتداء کی تھی، مگر عوام کے بڑھتے ہوئے اجتماعات کے پیش نظر شہر کی عیدگاہ میں مجلس کا انعقاد ہونے لگا اور پھر شہر کے مختلف مقامات میں ہفتہ وار محفلوں کا سلسلہ جاری کرنا پڑا۔ یہ سب باتیں عوام میں آپ کے مواعظ کی دل پسندی اور محبوبیت کی کافی دلیل ہیں۔

اس کے ساتھ ہی ہم دیکھتے ہیں کہ اولیاء اور صوفیہ بھی آپ کے وعظوں میں بکثرت موجود ہوتے۔ کیفیت یہ تھی کہ عراق کے دوسرے شہروں سے کئی صوفیہ سفر کر کے مجلس وعظ میں حاضر ہوتے۔ چناں چہ شیخ علی ہیتی زریران کی بستی سے چل کر آیا کرتے تھے۔ علاوہ ازیں قیلویہ، نہر ملک، نہروان، موصل، یعقوبا اور باذان جیسے مقامات سے آ کر بیش تر اہل اللہ حاضر مجلس ہوتے۔

مجلس وعظ میں مشائخ

ایک روایت کے مطابق آپ کی ایک مجلس میں مندرجہ ذیل مشائخ اور صوفیہ موجود تھے۔

- ……شیخ ابوالنجیب عبدالقاہر سہروردی
- ……شیخ عثمان بن مرزوق بطائحی
- ……شیخ بقا بن بطو نہر ملکی
- ……شیخ ابوسعد قیلوی
- ……شیخ علی بن ابی نصر ہیتی زریرانی
- ……شیخ ابوالعباس احمد جوسقی
- ……شیخ ابویعلی محمد بن فراء
- ……شیخ ابومحمد عبدالحق حریمی

- ......شیخ ابوعواجاجوستی
- ......شیخ مظفر جمال
- ......شیخ جلیل صاحب الخطوہ والزعفۃ
- ......شیخ ابوحفص عمر کیماتی
- ......شیخ ابومحمد حسن فارسی بغدادی
- ......شیخ ماجد الکردی
- ......شیخ عثمان بن مرزدق قرشی
- ......شیخ مطر الباذرانی
- ......شیخ خلیفہ بن موسیٰ اکبر
- ......شیخ یحییٰ بن محمد مرتعش
- ......شیخ ابوعبداللہ محمد دریالی قرشی
- ......شیخ ابوعبداللہ محمد موصلی
- ......شیخ ابوعبداللہ عراقی الخاص
- ......شیخ ابوالعباس احمد قرشی
- ......شیخ سلطان بن احمد حزیّن
- ......شیخ ابوالعباس احمد بن الاستاذ
- ......شیخ مبارک بن علی جمیلی
- ......شیخ عبدالقادر ابن حسن بغدادی
- ......شیخ ابوعبداللہ محمد بن ابی المعالی
- ......شیخ شہاب الدین عمر سہروردی
- ......شیخ عثمان طریفنی
- ......شیخ عباد البواب
- ......شیخ ابوبکر حمامی
- ......شیخ ابومحمد علی یعقوبی
- ......شیخ ابوحفصی غزالی
- ......شیخ ابوحکیم بن ابراہیم نہروانی
- ......شیخ مکارم الاکبر
- ......شیخ جاکیر
- ......شیخ صدقہ بن محمد بغدادی
- ......شیخ ضیاء الدین ابراہیم جولی
- ......شیخ ابوالعباس احمد یمانی
- ......شیخ داوٗد
- ......شیخ عثمان بن احمد عراقی
- ......شیخ ابوبکر بن عبدالحمید شعیبانی
- ......شیخ ابومحمد احمد بن عیسیٰ کوبجی
- ......شیخ ابوالبرکات ابن معدان عراقی
- ......شیخ ابوالسعود احمد بن ابی بکر حزیمی عطار
- ......شیخ ابوالقاسم عمر بن مسعود بزاز
- ......شیخ محمد بن عثمان لغال

ان جلیل القدر صوفیہ کی شرکت سے بہ خوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کے خطبات کس قدر مضامین عالیہ پر مشتمل ہوتے ہوں گے اوران میں شریعت وطریقت ومعرفت کے کیسے کیسے قیمتی مسائل بیان ہوتے ہوں گے۔ ورنہ ایک عام قسم کے وعظ میں صوفیہ کا شریک ہونا سمجھ میں نہیں آسکتا۔ لیکن دوسری طرف دیکھتے ہیں تو عوام بھی ہزارہا کی تعداد میں بیٹھے ہوئے نظر آتے ہیں اور پھر محض بیٹھنا نہیں، بلکہ ان کی زندگیاں بدلتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ بہرکیف ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ آپ کے مواعظ میں اصل مضمون اتنا بلند پایہ ہوتا تھا کہ علماء اور صوفیہ اس کے محتاج تھے، مگر زبان و انداز بیان اتنا سادہ اور دردمندانہ ہوتا تھا کہ عوام کے قلوب واذہان پر بھی گہرے اثرات پڑتے تھے اور فن خطابت کا یہ انتہائی کمال ہے کہ خطیب کی بات سے لوگوں کا ہر طبقہ مستفید ہوتا ہو۔

موضوع

جناب شیخ رضی اللہ عنہ کے مواعظ میں جن موضوعات کا بہ کثرت ذکر پایا جاتا ہے، وہ تقریباً یہ ہیں:

1. ......توحید، اسلام کی صداقت وحقانیت
2. ......تصوف اور روحانیت
3. ......اتباع سنت اور اتباع صحابہ
4. ......تقویٰ اور تزکیہ

آپ کے اختیار کردہ یہ عنوانات بھی محض ذوقاً یا اتفاقاً نہ تھے، بلکہ غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ یہ امور اس عہد میں اسلام کی اشاعت وحفاظت کے تقاضوں کے عین مطابق تھے۔

اسلامی تعلیمات کا زوال

تاریخی اعتبار سے پانچویں اور چھٹی صدی ہجری کا زمانہ اسلامی تعلیمات کے زوال واضمحلال کا دور تھا۔ اموی اور عباسی خلفاء کے ابتدائی سلسلے نے دیگر علوم اور زبانوں کا لٹریچر عربی میں منتقل کرنے کی جو مہم شروع کی تھی، وہ اوّل نظر میں علم اور دانش کی خدمت سمجھی جاتی رہی۔ چناں چہ مسلمان فضلاء اس کام میں پوری کوشش سے مصروف ہوگئے، لیکن اس کا لازمی نتیجہ یہ ظاہر ہوا کہ مسلمانوں کے ذہن فلسفہ اور عقلیت محضہ سے متاثر ہونے لگے اور اسلامی اعتقادات میں خدشات کا دور شروع ہوگیا۔

عقلیت محضہ [۵۱]

(۵۱) عقلیت محضہ سے ایسا اندازِ فکر مراد ہے، جس میں عقلِ آوارہ کو مکمل رہ نما تسلیم کرلیا جائے اور وحی و نبوت کی ہدایت کو درخور اعتناء نہ سمجھا جائے۔ مسلمانوں میں جب یہ رجحان پیدا ہوتا ہے تو اس سے ہمارے معاشرے میں وہ ''دانش ور'' ابھرتے ہیں جو دین اور نبوت کے ساتھ وابستگی پر شرم محسوس کرنے لگتے ہیں۔ (کوکبؔ)

عقلیت محضہ کی یہ تحریک مذکورہ صدیوں میں اپنے عروج پر تھی۔ یہی باعث ہے کہ حجۃ الاسلام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اس کا ردِ عمل بن کر اس دور میں ظاہر ہوئے۔

عیسائیت

اس کے ساتھ یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ اس وقت اسلامی خلافت روبہ زوال ہو رہی تھی اور سیاسی و سلطنتی کمزوری کے سبب سے عیسائیت اسلام پر حملہ آور ہو چکی تھی۔ اس طرح علمی، فکری اور معاشرتی طور پر اسلامی دنیا میں عیسائیت کے افکار و معتقدات پھیل رہے تھے اور اسلام کے لیے یہ ایک زبردست خطرہ تھا۔

شیعی تعصب

اس دور کی تیسری چیز یہ تھی کہ بعض ناعاقبت اندیش لوگوں کے غلط طرزِ عمل سے شیعی تعصب کے غلط رجحانات روز بروز زور پکڑتے جارہے تھے اور بالآخر اسی خلفشار نے عباسی خلافت کو قبر کے کنارے تک پہنچا دیا۔

ان مذکورہ عقلی و مذہبی فتنوں کے ساتھ لازمی طور پر مسلمانوں میں بے یقینی اور بے عملی پھیل رہی تھی، جو فسق و فجور کی حد تک پہنچ چکی تھی۔ اس وضاحت سے یہ بات نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ اس دور میں اسلام اور مسلمانوں کو مذکورہ چار بڑے خطرات سے واسطہ پڑ رہا تھا، جن کو مختصراً یوں شمار کرلیجیے:

(۱)......عیسائیت (۲)......فلسفہ یونان اور عقلیت محضہ

(۳)......شیعی تعصب (۴)......فسق و فجور کی لہریں۔

اب حضرت شیخ غوثیت مآب رضی اللہ عنہ کی تقریروں کے موضوعات پر نظر ڈالیے اور دیکھیے کہ آپ کے ذہن عالی نے ان تمام فتنوں کا کیسی بالغ نظری کے ساتھ مطالعہ کر لیا تھا اور ان کے مقابلے کے لیے کیسے جامع اور مطابقِ ضرورت منصوبے کے ماتحت تبلیغ کا کام شروع کیا تھا:

❶ عیسائیت کے معتقدات کو شکست دینے کے لیے آپ توحید کے مسئلے کی وضاحت فرماتے اور اسلام کی سچائی کو ثابت کرتے۔ آپ کے بعض خطبات میں حضرت خضر علیہ السلام سے مکالمہ پایا جاتا ہے، جس میں آپ فرماتے ہیں:

''اے اسرائیلی بزرگ! ٹھہر جاؤ اور ذرا اس محمدی کی باتیں بھی سن لو''---

حضرت خضر علیہ السلام کی اہل روحانیت کے ہاں جو حیثیت ہے، اس کے علاوہ غالب گمان یہ ہے کہ یہاں تبلیغی اعتبار سے ''خضر'' اہل کتاب کے نمائندے کی حیثیت سے مخاطب ہیں اور اس خطاب کی وساطت سے دراصل جملہ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کو پیغامِ محمدی سنانا مقصود ہے۔ ''اسرائیلی'' اور ''محمدی'' کے الفاظ اس مفہوم کی طرف واضح اشارہ کر رہے ہیں۔

❷ یونانی فلسفے اور عقل پسندی کی تحریک کے پیش نظر آپ نے روحانیت اسلامیہ کے اصول پیش کیے اور اس تحریک کا فطری علاج یہی ہے، کیوں کہ عقل کے مقابلے میں جب وجدان کے حقائق پیش کیے جاتے ہیں تو ''عقل محض'' کی حیثیت صرف ''چراغ راہ'' کی رہ جاتی ہے اور انسان کو اپنے عروج کی منزل مقام وجدان پر نظر آنے لگتی ہے۔ امام غزالی رضی اللہ عنہ کو ایک مدت تک فلسفے کا جواب فلسفے سے دیتے رہے۔ چناں چہ ''تھافة الفلاسفة'' اسی دور کی یادگار ہے، مگر بالآخر ان کو بھی اسی راہ کی طرف مائل ہونا پڑا، جسے جناب شیخ ابتداء ہی سے اختیار کیے ہوئے تھے۔ فقہ، تصوف اور نبوت و ولایت کی جو بحث آپ کے ارشادات میں پائی جاتی ہے، وہ اسی شعبے کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔

❸ تیسری چیز شیعی تعصب کے وہ غیر صحت مندانہ رجحانات تھے، جن کی بنیاد انکارِ صحابہ پر رکھی گئی ہے اور نتیجہ

کے طور پر اس میں سنت نبوی کا انکار بھی کرنا پڑتا ہے۔اس کے بڑھتے ہوئے اثرات کو روکنے کے لیے آپ نے اصل بنیاد"سنت" کی اتباع پر زور دیا اور اس کے ساتھ ہی صحابہ رسول کی مدح سے اپنے خطبوں کو آراستہ کیا۔ تقریر کے علاوہ آپ کے دوسرے لٹریچر میں بھی صحابہ کرام کی بہت شان بیان کی گئی ہے۔حتیٰ کہ"غنیۃ الطالبین" کے اکثر مقامات پر ان شبہات کا مدلل ازالہ فرمایا ہے، جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور بعض دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر وارد کیے جاتے ہیں۔آپ فرمایا کرتے تھے کہ کوئی امتی خواہ کتنا ہی مقبول و مقرب کیوں نہ ہو جائے، ایک ادنیٰ صحابی رضی اللہ عنہ کی گردِ پا کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔آپ رضی اللہ عنہ کی تعلیمات سے متاثر ہو کر بہت سے شیعہ تائب ہو جایا کرتے تھے۔ چناں چہ ایک دفعہ شیعہ حضرات کا ایک گروہ مجلس ہی میں مشرف بہ اسلام ہو گیا۔

4. فسق و عصیاں کے سیلاب کا علاج آپ نے تقویٰ، ورع، تزکیہ اور خوف خدا کی تعلیم و تلقین سے کیا۔لوگوں کو نفس کی شرارتوں سے مطلع کرتے اور اس کے وساوس سے بچنے کی راہیں بتلاتے۔ایسی آیات قرآنی بکثرت اپنی تقریر میں لاتے جن کے مفاہیم لوگوں کے دلوں میں اثر پیدا کرتے ہیں اور خدا کی طرف رجوع لانے کا جذبہ ابھرتا ہے۔تقریباً ہر خطبہ ایسی ہی کیفیات کا حامل ہوتا تھا۔ذیل کا ایک اقتباس ملاحظہ کیجیے، اس میں تاثیر کی گہرائی اور خطابت کی شان دونوں چیزیں نظر آتی ہیں:

"اے انسان! مالک حقیقی سے ڈر۔ جو شخص صدق دل سے پرہیز گاری اختیار کرتا ہے، وہ ماسویٰ سے بری ہو جاتا ہے۔لوگو! ایسی باتوں کا دعویٰ نہ کرو، جو تم میں نہیں ہوتیں۔ جب تک نفس کی کدورتیں نہیں مٹتیں، دل کی کدورت نہیں مٹ سکتی۔ جب تک نفس لعین اصحاب کہف کے کتے کی طرح رضائے الٰہی کے دروازے پر نہ بیٹھ جائے، دل میں ہرگز ہرگز صفائی پیدا نہیں ہو سکتی۔

اور جب کامل صفائی (طمانیت قلب) پیدا ہو جائے گی، اس وقت ﴿يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً﴾"اے مطمئن جان! اپنے پروردگار کے دربار کی طرف خوش و خرم آجا" کی روح پرور صدا آئے گی۔اس وقت اس کی عظمت وجلال کا مشاہدہ ہوگا اور تیرے کانوں میں

یَا عَبْدِیْ یَا عَبْدِیْ اَنْتَ لِیْ وَ اَنَا لَکَ ''اے میرے بندے! تو میرا ہے اور میں تیرا ہوں'' کا خطاب جاں فزا سنائی دینے لگے گا''---

مضمون اور موضوع کے لحاظ سے آپ کے خطبات کی جو حیثیت یہاں بیان کی گئی ہے، یہ ان لوگوں کے لیے زیادہ مفید ثابت ہوگی، جو آپ کے خطبات اور مواعظ کا تفصیلاً مطالعہ کریں۔ اور ایک سمجھ دار قاری دورانِ مطالعہ اس حقیقت کا ضرور اعتراف کرے گا کہ تقاریر کا یہ ذخیرہ، موثر، مفید، علمی اور قیمتی ہونے کی وجہ سے اسلامی لٹریچر میں انتہائی ممتاز مقام کا حامل ہے اور اس کی افادیت آج بھی ویسی ہی ہے جیسی کہ چھٹی صدی ہجری میں تھی۔

اثرات تبلیغ

ایک مبلغ کی کوششوں کی قدر و قیمت جاننے کے لیے یہ دیکھنا ضروری ہوتا ہے کہ اس کے ماحول میں اس کے کام کے نتائج کیا ہیں۔ کیوں کہ کامیاب تبلیغ ماحول کے سانچے کو بدل دینے کا نام ہے، نہ کہ صرف کہنے کہلانے کا اور اس لحاظ سے حضرت شیخ کا تبلیغی کام بہت اونچا مقام رکھتا ہے۔ آپ کے سیرت نگاروں کا متفقہ بیان ہے کہ آپ کا کوئی وعظ بھی کامیاب اور گہرے اثرات سے خالی نہ ہوتا تھا۔ ہر مجلس میں لوگوں پر رجوع و انابت کی ایسی کیفیت طاری ہوتی کہ وہ تڑپتے، تلملاتے، اپنی تاریک زندگیوں پر نادم ہوتے اور اٹھ اٹھ کر اپنی توبہ کا اعلان کرتے۔

مجلس وعظ کی شہرت اور تاثیرات کی خبریں سن کر دور دور سے ہر مذہب و ملت کے افراد، سننے کے لیے آتے۔ عیسائی، یہودی، مجوسی، مادہ پرست، عقلیت پسند، ملحد اور دہریے، غرض ہر مکتب فکر کے لوگ کھنچے چلے آتے۔ ان میں سے کوئی امتحان اور آزمائش کی نیت سے آتا اور کوئی تفریح و مشغلہ کے طور پر۔ مگر جو مجلس میں پہنچ جاتا وہ اسلامی دنیا کے اس عظیم داعی کا مدلل اور پر جذب خطاب سن کر مبہوت ہو کر رہ جاتا اور اثر کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور لے جاتا۔ اس طرح دوسرے مذاہب کے بہت سے لوگ مجلس وعظ میں آ کر مشرف بہ اسلام ہو جاتے۔

بلاد مغرب سے عیسائیوں کا ایک گروہ تلاش حق کے لیے چلا۔ ان کو بتایا گیا کہ تمہارا گوہر مقصود بغداد میں ہے۔

چناں چہ وہ بغداد میں آ کر، آپ کی مجلس وعظ میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا۔ یمن کا ایک راہب ایک دن مجلس میں آ کر کہنے لگا، میں صداقت کا آرزو مند تھا مگر منزل نہ ملتی تھی۔ آخر ایک پکارنے والے نے پکار کر کہا، تم عراق جاؤ اور شیخ عبدالقادر جیلی کے ہاتھ پر اسلام لاؤ۔

جو ایمان لائے

مشرف بہ اسلام ہونے والوں کا یہ سلسلہ آپ کے زمانہ تبلیغ میں ہمیشہ جاری رہا۔ شیخ شطوفی کا محتاط اندازہ ہے کہ صرف یہودیوں اور عیسائیوں سے پانچ سو سے زائد لوگ مسلمان ہوئے تھے۔

شیعی تعصبات رکھنے والوں کی ضد بازی بھی بمشکل قابلِ اصلاح تھی۔ مگر آپ کی محفل میں کئی شیعہ بھی تائب ہو کر اہل سنت کے مسلک میں داخل ہوئے۔ ''بھجة الاسرار'' میں شیعوں کی ایک جماعت کا واقعہ درج ہے کہ وہ مجلس وعظ میں آئے اور آپ کی ایک کرامت دیکھ کر اپنے مسلک سے تائب ہو گئے۔ گو اس عہد میں سیاسی حیثیت سے شیعیت کو ابھارا جا رہا تھا۔ مگر آپ کے سلسلہ تبلیغ سے یہ بڑھتا ہوا زور بہت حد تک تھم گیا۔ چناں چہ صاحب ''طبقات'' نے صاف الفاظ میں لکھا ہے کہ آپ سے اہل سنت کو بہت تقویت اور تائید حاصل ہوئی۔

جو تائب ہوئے

فسق و فجور میں ڈوبے ہوئے لوگ بھی مشکل ہی سے سدھرا کرتے ہیں، مگر کس قدر حیرت کی بات ہے کہ آپ کی تبلیغ سے ایک لاکھ زندگیاں راہ راست پر آ گئیں اور ان میں سے بیش تر صالحین کے طبقے میں داخل ہو گئے۔ یعنی یہ کوئی مبالغہ نہیں کہ آپ ڈاکوؤں کو اپنے فیض نظر سے زاہد اور پارسا بنا دیتے تھے۔

اوپر کی سطور میں جو باتیں بیان ہوئی ہیں، وہ مورخین کے محتاط اور محدود اندازوں کے مطابق ہیں۔ ویسے اگر غور کیا جائے تو آپ کی تبلیغ نے اسلامی تاریخ میں اشاعت دین کا ایک شان دار باب کھولا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ آپ کے اثرات صرف بغداد یا عراق تک محدود نہ تھے، بلکہ آپ کا کام عالم گیر حیثیت اختیار کر گیا تھا۔ کیوں کہ اوّل تو

آپ کے ذاتی علم وفضل اور روحانی کشش نے ساری اسلامی دنیا میں آپ کو معروف بنادیا تھا اور ثانیاً بغداد کی بستی اس عہد میں اقوام عالم کے مجموعی معاشرے کا مرکز تھی اور پھر اس بستی میں آپ کے اجتماعاتِ وعظ، بڑے بڑے پبلک مقامات پر منعقد ہوا کرتے تھے، جن میں سے ہر اجتماع تقریباً لاکھ کی تعداد پر مشتمل ہوتا تھا اور تمام اقوام وملل کے افراد موجود ہوتے تھے۔ یہاں سے خود بخود اندازہ ہوسکتا ہے کہ دنیا میں آپ کی برکاتِ تبلیغ کی لہریں کیسی عظمت کے ساتھ پھیلی ہوں گی۔ جب کہ یہ سلسلہ سال ہا سال تک متواتر جاری رہا تھا اور ایک خاص موثر حقیقت یہ تھی کہ عوام میں، خواص میں، علماء میں، صوفیہ میں اور امراء وسلاطین میں آپ کو جو عزت، عقیدت اور ہیبت حاصل تھی، وہ آپ کے مواعظ کی حیثیت کو بہت بیش قیمت اور پُر اثر بناتی تھی۔ کہاں ایک عام واعظ کا کچھ کہنا اور کہاں ایک مقتدائے روزگار شخصیت کا منبر تبلیغ سے دین کا پیغام پہنچانا۔ ذرا تصور کیجیے! ایک ایسی شخصیت کا جس کے در پر وقت کے فرماں روا جھکتے تھے، جس کی مقبولیت اور مرجعیت عالم گیر تھی، جس کے کاشانے پر ساری اسلامی دنیا کھچی چلی آتی تھی اور جس کے پاس اس کی زندگی کی ساری سہولتیں، جملہ نعمتیں اور تمام دولتیں موجود تھیں، مگر اس کی اپنی دل چسپیاں یہ تھیں کہ اس کا سارا سارا دن قرآن وحدیث کی تعلیم میں گزر جاتا۔ پھر کبھی وہ بغداد کی عیدگاہ میں اور کبھی اپنے مدرسہ وخانقاہ میں عوام کے اجتماعات کے سامنے "قال اللّٰہ و قال الرسول" کے ترانوں میں سرمست وسرشار نظر آتا۔ ایک ایسا شخص کہ حیات دنیا کی رعنائیاں اس کے قدموں تلے ہوں، زمانے کی حکومتیں اس کی بلائیں لیتی ہوں اور سارا عالم اسے خراج عقیدت پیش کرتا ہو، لیکن وہ اپنی راہ پر چلتا ہی رہے اور ایک لمحہ کے لیے بھی دنیا کی دل چسپیوں اور دل فریبیوں سے متاثر نہ ہو۔ اس کی راتیں سوز ودرد میں اور اس کے دن تبلیغ وخدمت میں گزرتے ہوں، اس کی گفتار، اس کا کردار، اس کا اٹھنا، اس کا بیٹھنا، اس کا سونا، اس کا جاگنا، غرض پوری کی پوری زندگی تبلیغ وارشاد ہو۔ ذرا سوچیے کہ دین خدا کے ایسے متوالے اور پیغام رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے شیدائی سے کون متاثر نہ ہوگا؟ ان کی گفتار سے کتنے پتھر موم ہوئے ہوں گے، ان کی زندگی سے کتنی زندگیاں پارس بنی ہوں گی، ان کی نگاہ سے کتنے بخت بیدار ہوئے ہوں گے اور ان کی نور جبین سے کتنے چراغ جگمگائے ہوں گے۔ اس پُرعظمت داستان کی تفصیل پوچھنا ہو تو بغداد کے در ودیوار سے پوچھو، حلیہ برانیہ کی گلیوں سے پوچھو، قاضی ابوسعید کے مدرسے کے مناروں سے پوچھو اور اپنی تاریخ کے

ان اوراقِ درخشاں سے پوچھو، جن کو صدیوں سے غفلت کے غلافوں میں چھپا چکے ہو۔

لوٹ پیچھے کی طرف اے گردش ایام تو

✿✿✿✿✿